TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222348
UNIVERSAL
LIBRARY

لباس التقویٰ ذٰلک خیرہ

Checked 1975

خرقۂ امجد

سی پیوند

مُصنّفہ

ابو الاعظم مولوی سید احمد حسین صاحب امجد

مطبوعہ عماد پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن

قسم دوم

٨٩١٤٢.٣١٤

م

خ

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا

خرقۂ امجد

Checked 1975

(سی پیوند)

مصنفہ

ابوالاعظم مولوی سید احمد حسین صاحب امجد

مطبوعہ [illegible] پریس حیدرآباد دکن

جملہ حقوق محفوظ

قسم اول ۱۲؍ قسم دوم عہ

تنقیح

فرقدؔ امجد

بِسمِ اللّٰہ توکلتُ علی اللّٰہ

خلّاقِ عالم کی عجب حیرت خیز تخلیق ہے، ہر چیز میں دو متضاد کیفیتیں ودیعت کی گئی ہیں، آدمی زادہ ہی طرفہ معجون نہیں، بلکہ ہر شئے اصلاح وخرابی، نور وظلمت، موت وحیات، خوف ورَجا، خیر وشر، لطافت وکثافت، روح ومادّیت، عیب وہنر، نقص وکمال کا مجموعہ ہے۔

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ سطحی نگاہیں سطح سے آگے متجاوز نہیں ہوتیں اور عیب جو نظریں عیب ہی میں اُلجھ کر رہ جاتی ہیں۔

رُباعی

یاں جو آتا ہے نے ہنر آتا ہے
ہر فردِ بشر ہمرہِ شر آتا ہے
میری آنکھوں کی تنگ چشمی دیکھو
صورت میں فقط خال نظر آتا ہے

بخوں آلودہ دستِ تیغِ غازی ماندہ بے تحسیں
تو اول زیبِ اسپ و زینِ گستواں بینی

کائنات کا ہر ذرہ ذو معنین ہے

چوں از گشتی ہمہ چیز از تو گشت
چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

شاعری، موسیقی، مصوری، فنونِ لطیفہ ضرور ہیں، مگر نا اہلوں نے کثیف سے بھی کثیف تر بنا دیا ہے۔ مجھ سا بے شعور بھی شعر کہتا ہے، ہر لڑکا گلیوں میں گاتا پھرتا ہے۔ مکتب کے بچے بھی تصویر بناتے ہیں، وزن کے اعتبار سے شعر، لحن کے اعتبار سے راگ، آنکھ ناک کے اعتبار سے تصویر تو ضرور ہے۔ لیکن کوئی صاحبِ فن کیا ان کو فنونِ لطیفہ میں شمار کر سکتا ہے۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند (حافظ)
نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست — کلاہ داری و آئین سروری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

شعر ہو یا راگ، جب تک سامع کو بے خود نہ کر دے، بارد فطرت میں حرارت نہ پیدا کر دے، قدیم کافر کو مسلمان نہ بنا دے، کثیف مادے میں لطیف روح نہ پھونک دے، فنونِ لطیفہ میں

شمار نہیں کئے جا سکتے ۔ ہر شعر ایک مکمل راگ یا تصویر ہوتا ہے جس طرح تصویر میں مصور کو ہر عضو اپنی اپنی جگہ خوبی اور موزونیت کے ساتھ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے ۔

اسی طرح شاعر کو بھی ہر لفظ اپنے اپنے مقام پر بغیر کسی تعقید کے رکھنا پڑتا ہے ۔ اس ترتیب کے قطع نظر تناسب اور توازن بھی ضروری اور لازمی چیز ہے ۔

اگر ناک کی جگہ ناک تو بنائی جائے مگر اصل صورت کے اعتبار سے بڑی یا چھوٹی کر دی جائے تو تعداد اجزا کے اعتبار سے تصویر مکمل تو ہو گی ۔ مگر مضحکہ خیز ۔ اسی طرح موزوں نظم بھی اپنی بد نظمی ، اور غیر مناسب ، اور ثقیل الفاظ ، اور دور از فہم استعارات اور تلمیحات کی وجہ سے شعر گفتن چہ ضرور بود کا مصداق ہو جاتی ہے ۔

جب تک اصل فطرت (فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا)

اظہار مافی الضمیر پر مجبور نہ کرے اور ذوقِ طبیعت متقاضی نہ ہو،
قافیہ ردیف کے بل پر شعر کہنا، نقالی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا

ہماری شاعری کیا، شاعری کی نقل کرتے ہیں

شاعری نہ ضروریاتِ زندگی میں داخل ہے، نہ واجباتِ دینی
میں، اِس کے پیچھے وقت خراب کرنا اور "فِی کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ" کا
مصداق بننا وقت کی قدر کرنے والوں کے لئے تو مناسب
نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

اشعار سے پیٹ بھرنے کی بہ نسبت پیپ سے پیٹ بھرنا اچھا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ اشعار سے، مخربِ اخلاق، لغو،
اور لاحاصِل اشعار مراد ہیں۔ نظم ہو یا نثر، تقریر ہو یا تحریر، اُس کا
کچھ نہ کچھ حاصِل ہونا چاہئے، دینی یا دنیوی، خود اپنے لئے
یا غیر کے لئے۔ جس نظم و نثر میں اس امر کا لحاظ نہ ہو اور محض
قافیہ پیمائی اور خامہ فرسائی کی جائے، بازیچۂ اطفال ہے۔

جس کی تعبیر مشق ابتدائی سے کی جا سکتی ہے کہ لکھا اور مٹا دیا،

(الف) بعض شعر تو ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں محض موزونیت کے سوا کوئی اور بات ہی نہیں ہوتی۔ جس کو لوگ واقعہ نگاری سمجھتے ہیں ؎

دندانِ تو جملہ در دہانند   چشمانِ تو زیر ابروانند

(ب) بعض اشعار میں محض جدّت طرازی اور لغو مُبالغے ہوتے ہیں لیکن نتیجہ کچھ نہیں۔

(ج) بعض اشعار مضمون کے اعتبار سے اچھے تو ہوتے ہیں مگر الفاظ کا لباس معانی کے جسم پر بہت تنگ اُترتا ہے خواہ مخواہ معنی پیدا کرنے کے لئے جبری تاویلیں کرنی پڑتی ہیں پھر بھی تعین کے ساتھ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا صحیح مضمون کیا ہے، اور شاعر کا مافی الضمیر کیا؟

(د) بعض اشعار میں محض لفظی رُعب اور ظاہری نمائش

ہوتی ہے اور سطوتِ الفاظ خواہ مخواہ سادہ فطرت کو مرعوب بنا دیتی ہے۔ لیکن معنوی پہلو، دیوار قہقہہ یا شاخ زعفران کا اثر پیدا کرتا ہے ۔

کہ خوانِ عنکبوت آسا سراپردہ زدہ بیروں
دروں ویرانہ و برخوان مگس بنبید برپاشش

بعض لطافتِ لفظی کے قائل ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ شاعری صرف موزونیت، اور صحیح قوافی اور ردیف کے استعمال کا نام ہے۔ ایطا نہ ہو، اکفانہ ہو، وزن بحر درست ہو بس، شعر پورا ہوگیا، اور اسی کا نام لطافت ہے۔

لیکن اکثر طبقہ لطافت معنوی کی طرف مائل ہے۔ بلند معانی کی موزونیت میں لفظی اصول کی چنداں پروا نہیں کی جاتی، عیوب قافیہ کا خیال، بلند خیال کا قافیہ تنگ نہیں کرسکتا۔

کہ گورکشتگاں باشد بخون اندودہ بیرونش ولیکن اندروں باشد مشبک آلودہ رضوانش

نہ چوں ماہیٔ درونِ سبو صفر بُبرِ ناز درم   کہ بیرون چو صدف عُو رودرون سوائے گہر کا نش
خرقۂ امجد

اُس کا تصفیہ کہ صورت اصل جوہر ہے یا سیرت، صاحبانِ بصیرت سے مخفی نہیں ہے ۵

بچشم و گوش و دہاں آدمی نباشد شخص   کہ ہست صورتِ دیوار راہمیں تمثال

حقیقت نگار شاعر کو سطحیات کی طرف کم توجہ ہوتی ہے اور صنائع وبدائع ظاہری اور لفظی نمایش کے حدود سے اُس کا خیال ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے۔

شاعر کو اپنے کامل جذبات کے اظہار کے لئے بعض اوقات قدیم قیود رسمی اور فرضی کو توڑ دینا پڑتا ہے۔

مست کی شان یہ ہے کہ سرو دستار سے بے خبر رہے۔

جس قدر سرو دستار کی طرف توجہ ہوگی اُس کے کمال مستی میں اُسی قدر فرق آجائے گا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ:۔ ایک شاعر بشرطیکہ وہ حقیقی شاعر ہو اظہارِ جذبات میں مجذوب صفت ہوتا ہے

اُس میں ایک خاص جوہر ہوتا ہے جس کو وہ خود بھی نہیں سمجھتا کیونکہ اُن معانی کی مُبیّن کوئی اور ہی قوت ہوتی ہے جو اُسے ایسا کہنے پر مجبور کرتی ہے ۔ وہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے جو اپنی کیفیت کو ایک انوکھے راگ میں گاتا ہے اور اپنے دُکھ درد کو ایک مُبہم زبان میں ادا کرتا ہے ۔

وہ ہمیشہ ایسی زبان میں باتیں کرتا ہے جو نہایت عجیب و غریب اور پُراسرار ہوتی ہیں اور ایسے مکاشفات بیان کرتا ہے کہ عام دنیا والے اُس کو سمجھ نہیں سکتے ۔ اُس کی ضمیر کی سچی آواز اور حقیقی صدا اس کو روح القدس کا ہمنوا بنا دیتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (جب تک حسانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کو جواب دیتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فخر کرتے ہیں) خدائے پاک رُوح القدس کے ذریعہ سے اُن کی تائید فرماتا ہے ۔

(اس حدیث سے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ شاعر جب تک
حقیقت نگار اور صداقت شعار ہو خدائے پاک رُوح القدس کے
ذریعہ اُس کی تائید فرماتا ہے)

ہندوستان کا چھوٹے سے چھوٹا مقام بھی کوئی ایسا
نہ ہوگا جہاں شاعر نہ ہوئے ہوں یا اسوقت موجود نہ ہوں
مگر چند ہی شاعر ایسے ہوئے ہیں جو صحیح معنے میں شاعر
کہے جا سکتے ہیں جیسے میر تقی - میر درد - اکبر آلہ آبادی
ڈاکٹر رآبندر ناتھ ٹگور - ٹگور کی بعض مشہور تصانیف کے
ترجمے اُردو زبان میں میں نے پڑھے ہیں اور اُن کی لذت
میں گھنٹوں بلکہ دنوں مُستغرق اور بے خود رہا ہوں -

علی العُموم گیتان جلی اور علی الخصوص حتراکی تاثیر اور
دلاویزی حد بیان سے باہر ہے قابلِ مترجم قابلِ تعریف ہے
کہ دوسرے کے جذبات، اور غیر زبان کے مطالب کو

نہایت دل کش اور مُؤثر طرزِ ادا میں ادا کیا ہے۔ سُبحان اللہ وبحمدہٖ۔ معمار کسی نئی چیز کی تخلیق نہیں کرتا بلکہ اُسی مٹّی گارے کو جو پہلے سے موجود ہوتا ہے سلیقہ سے چُن دیتا ہے۔

صورت گر، پتھر تراش کر بُت نہیں بناتا۔ بلکہ بُت اُس میں پہلے سے موجود ہوتا ہے مجسمہ ساز پتھر کی عارضی چادر کو اُس کے چہرہ سے اُٹھا دیتا ہے۔

اسی طرح۔ **خرقۂ امجد** میں بھی کوئی فلکِ اطلس کا پیوند نہیں ہے۔ علی العموم وہی پھٹے پُرانے، بُوسیدہ، گرے پڑے، ٹکڑے ہیں۔ جن کو جوڑ جوڑ کر میں نے گدڑی بنا لی ہے۔ ایمان کی سرد مہری کے وقت کبھی اوڑھ لیتا ہوں کبھی بچھا لیتا ہوں، اور اپنے سچے دوستوں کو بھی اس میں سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں کہ دہ درویش در گلیمے بخسپند مُحبت اور صداقت کا ایک سوکھا ٹکڑا ابھی تکلّف سے کے

الوانِ نعمت سے کہیں زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔
اور مصنوعی اظہار محبت کی بہ نسبت ایک خاموش مایوس نگاہ
بہت گہرا اثر ڈالتی ہے۔
ناظرین میں ایک شخص بھی اس سے کچھ فائدہ حاصل کرسکے
یا کسی کے بے چین دل کو ذرہ بھر بھی تسکین حاصل ہو تو
اس خرقہ دوزی کا منشا پورا ہو جائے گا۔

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

امجد

صابر منزل کوچۂ فتح اللہ بیگ
۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۲ ہجری

فروغ احمد

پھولوں میں ترے گھر کی ہیں لاکھوں آنکھیں
پتوں میں ترے گھر کی ہیں لاکھوں آنکھیں
پتوں میں چھپے کوئی تو دیکھے
پونچھ لے ہاتھ تو آ کے آنکھیں
گلی میں تری ہیں لاکھوں آنکھیں

۲۴-۲-۱۲

شاعری

رباعی

نغمہ کا ہے شوق لحنِ داؤد نہیں
اس طرز میں حمد کی، کہ محمود نہیں
لازم ہے کہ آہ بھی لبوں سے نکلے
اک واہ ہی، شاعری کا مقصود نہیں

کس کام کا وہ رنگ، نہ ہو بو جس میں
بے معنی ہے وہ مے کہ نہ ہو تو جس میں
جس مے میں نشہ نہیں، وہ مے کیونکر ہو
جب راگ ہی قائم نہیں، لے کیونکر ہو

وہ علم ہی کیا، کہ جس میں عرفان نہ ہو
عرفان وہ کیا کہ جس میں ایمان نہ ہو
ایمان ہی وہ کیا، نہ ہو الفت جس میں
الفت ہی وہ کیا، نہ ہو صداقت جس میں

وہ شعر ہی کیا، کہ جسمیں جذبات نہ ہوں
وہ پیر ہی کیا جس میں کرامات نہ ہوں
الحق، کہ سخن کی جان ہے سوزِ نہاں
جب عشق نہیں تو حُسن میں حسن کہاں

ہر چند عوام شاعری کہتے ہیں
ہم تو اسے، عینِ ساحری کہتے ہیں
ہاں، ہوش رُبائے اُولوالالباب ہے شعر
عرفان ستار ہے، تو مضراب ہے شعر
ہر فکر میں باب معرفت کھلتا ہے
کانٹا بھی یہاں نگاہ میں تلتا ہے

شاعر اسرارِ خلق سے ماہر ہے
جو عارفِ کامل ہے وہی شاعر ہے
شاعر کی صدا، ہے رہنما کی آواز
اس حلق سے آتی ہے، خدا کی آواز

ہر بزمِ طرب کی ہائے ہو شعر سے ہے
موسیقی کی ساری آبرو شعر سے ہے
ہے حسن کی ساری زندگانی اس سے
ہے عشق کی نبض میں روانی اس سے

تسخیر ہے، سحر ہے، کہ اعجاز ہے شعر
ہے نغمۂ کن جس میں، یہ وہ ساز ہے شعر
حال دلِ صوفیاں سنوارا اس نے
اجمیر میں عہ زندہ دل کو مارا اس نے

امجد جب تک نہ ہو طبیعت حاضر
ہوتی نہیں شاعری کسی کی خاطر
کیوں فنِ لطیف کی تباہی کیجئے
کیا ظلم ہوا، کہ داد خواہی کیجئے
کیا فکر ہے، کوئی قدرداں ہو کہ نہ ہو
ہم زندہ رہیں، نام و نشاں ہو کہ نہ ہو

رباعی
اے حضرتِ شیخ! اپنی خبر لو پہلے
دامن، خود موتیوں سے بھر لو پہلے
دنیا میں، کوئی قدر کرے، یا نہ کرے
تم، آپ تو اپنی قدر کر لو پہلے

رباعی
دنیا، نہیں جائے کامرانی کیلئے
مجلس یہ نہیں، مرثیہ خوانی کیلئے
جب ماقدرو اللہ، خدا کہتا ہے
کیا روتے ہو، اپنی قدردانی کیلئے

عہ زاہد وزاہد حق شناس

عہ اس میں حضرت محمد حسن آلہ آبادی کی جانب اشارہ ہے جنھوں نے اجمیر شریف میں حالت سماع میں انتقال فرمایا۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین

ہر جزو کو، اپنے کل سے، اک نسبت ہے — کثرت میں اگر اتفاق ہو، وحدت ہے
ہر عضو کے حسن پر ہے تعریف مری — افعال جوارح پہ ہے توصیف مری
ہر عضو کے، ہر فعل سے، منسوب ہوں میں — سر سے پا تک، ہر اک کا مطلوب ہوں میں
بحر متلاطم ہے، ہر اک قطرۂ خوں — ہر جزو بدن کہتا ہے میں ہوں میں ہوں
ہر جزو یہ کہہ رہا ہے، امجد ہوں میں — ہر سنگ کا دعویٰ ہے زبرجد ہوں میں
اپنی ہی، ہر اک مدح و ثنا کرتا ہے — جس کو دیکھو آنا آنا، کرتا ہے
ہر جزو یہ کہہ رہا ہے، میں بھی گل ہوں — ہر خار میں ہے کھٹک کہ میں بھی گل ہوں
کہتا ہے ہر اک، مرے ہنر تو دیکھو — ہر جزو کی ہے صدا ادھر تو دیکھو

رباعی

اس مجمع اضداد کے حالات سنو — کچھ معجزہ دیکھو، کچھ کرامات سنو
ہے حسن کا اقتضا کہ جھپکے نہ پلک — لب کا یہ سخن ہے، کہ مری بات سنو

ذرہ ذرہ پہ میں نظر رکھتا ہوں
میں چیونٹی کی چال کی خبر رکھتا ہوں

میں تن کو جگا کے بھی ہوں مصروفِ بکار
میں تن کو سلا کے بھی ہوں ہر دم ہشیار

سر سے پا تک محیط ہوں میں سب پر
اک ذرّہ نہیں علم سے میرے باہر

ہے عالمِ تن میں، ہر جگہ گھر میرا
ہر ذرّہ میں جلوہ گر ہے جوہر میرا

سب کی رگِ گردن سے مِلا رہتا ہوں
ہر جزو سے میں گلے لگا رہتا ہوں

ہر جزو کے دُکھ سے مجھ کو دکھ ہوتا ہے
ہر جزو کے سُکھ سے مجھ کو سُکھ ہوتا ہے

ہر جزو پہ غالب ہے ارادہ میرا۔
ہر عضو نے پہنا ہے لبادہ میرا

میری مرضی کے تحت سب چلتے ہیں
قالب میں مرے حکم کے سب ڈھلتے ہیں

محتاجی سے غنی کو جانا سب نے
مجبوری سے، مختار کو مانا سب نے

ہر شان میں محوِ خود پرستی ہوں میں
اے واہ، عجب جسم میں ہستی ہوں میں

ہر جزوِ بدن کے ساتھ، لازم ہوں میں
اس چھوٹی سی سلطنت کا حاکم ہوں میں

ہر قطرۂ خون میں، برقِ خاطف ہوں میں
ہر جزو کے دکھ درد سے واقف ہوں میں

رگ رگ کی ہر ایک راہ کا سالک ہوں
میں، اس دو گز زمیں کا مالک ہوں

از چشم حقیقت بنگر، اندر تخمم ۔۔۔ رُباعی ۔۔۔ گرہست نظر، بکن نظر، اندر تخمم
در کُل، ہمہ واحدست، و در واحد، کل ۔۔۔ تخم ست اندر شجر، شجر اندر تخمم

ہے دار و مدار تن، مری قوت پر ۔۔۔ قادر ہوں میں سب کی ذلت و عزت پر
ہر اک، دم مارتا ہے، امجد امجد! ۔۔۔ ہر عضو پکارتا ہے، امجد امجد!

حکمت سے ہر اک کا پیٹ بھرتا ہوں میں ۔۔۔ سب کی سنتا ہوں اپنی کرتا ہوں میں
میرے نزدیک، دست و پا ہیں یکساں ۔۔۔ ہے میری نظر میں ایک، دایاں بایاں

ادنیٰ بھی مری نظر میں ہے، اعلیٰ بھی ۔۔۔ مجھ کو ہے عزیز، خون کا قطرا بھی
دل بھی میرا ہے، اور جگر بھی میرا ۔۔۔ ہے پاؤں بھی میرا، اور سر بھی میرا

سمجھے نہیں، میرا حال دنیا والے ۔۔۔ کہتے ہیں مجھے خیال، دنیا والے
قائم بالذات، جلوۂ تاباں ہوں ۔۔۔ بے قید ہوں، لافانی ہوں بے پایاں ہوں

تخلیق، ہے ادنیٰ سا کرشمہ میرا ۔۔۔ کافی ہے فقط ذرا اشارہ میرا
اک آن میں، آسماں پہ جاتا ہوں میں ۔۔۔ پھر چشم زدن میں واپس آتا ہوں میں

ہمراہ مرے، کوئی نہیں آسکتا ۔۔۔ مجھ کو تو فرشتہ بھی نہیں پا سکتا

آنا جانا نہیں ہے دوبھر مجھ کو
ہے قربت و بعد سب برابر مجھ کو

تھکتا ہی نہیں کبھی، وہ چالاک ہوں میں
ڈرتا ہی نہیں کبھی، وہ بے باک ہوں میں

دنیا میں کسی جگہ نہیں ڈر مجھکو
ہے ظلمت و نور، سب برابر مجھکو

کیا کوئی مجھے سمجھ سکے، کیا ہوں میں
معلوم نہیں کسی کو، کس جا ہوں میں

اس جسم میں، میں کسی کا پابند نہیں
دریائے عظیم، ایک جا، بند نہیں

آسان نہیں، کوئی بلالے مجھکو
ممکن ہی نہیں، کہ کوئی پالے مجھکو

اک درد بھری صدا سے مجبور ہوں میں
معذور کی دل ہی میں معذور ہوں میں

کانٹا پاؤں میں ہو، کہ بال آنکھوں میں
پڑ جاتے ہیں ڈورے لال لال آنکھوں میں

ہاں چارۂ ہر گزند لازم ہے مجھے
ہمدردیٔ دردمند لازم ہے مجھے

محنت ہی کے ساتھ ہے محبت میری
زحمت کی معیت میں ہے رحمت میری

معدود اجزا میں، غیر معدود ہوں میں
محدود بدن میں، غیر محدود ہوں میں

کیا کیا مجھ میں کمال ہیں، واہ رے میں
بے مثل کی ہوں مثال، اللہ رے میں

الحمد للہ رب العالمین

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَللّٰه کا ایک وصف رحمٰن بھی ہے
بندوں کی اسی سے جان میں جان بھی ہے

رحمٰن، محیط ما و طین ہے بالکل
واللہ، مبالغہ نہیں ہے بالکل

کونین میں فیض بخش عالم ہے یہی
رحمت کی طلب کا اسمِ اعظم ہے یہی

مطلق، ظاہر ہوا مقیّد بنکر
رحمت نازل ہوئی محمد بنکر

اسلام کا لطف، کل نظر آئیگا
رحمٰن ہی جب رحیم ہوجائیگا

تخصیص میں لطف ہوگا تعمیم کے بعد
کوثر کا مزہ آئیگا تسنیم کے بعد

سب کے لئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے
مُسلم کو مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰہ ہے

بالمؤمنین رؤف الرحیم۔

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن

یاں صُورتِ آدمی میں سب انساں ہیں
شکل انساں میں سینکڑوں حیواں ہیں

باغ عالم میں خار و گل یکساں ہے
ہر ایک کتاب صورتِ قرآں ہے

یہ عالمِ زندگی، ہے میدانِ عمل
دو ہاتھ ہیں، دو کفّہ میزانِ عمل

کل، روزِ جزا، کھلیگا سب کا جوہر — محشر بن جائے گا حقیقی مظہر
دھوکے کا یہ سب لباس اُتر جائیگا — ہر نقشِ درون صاف نظر آئیگا
اُس وقت، زمانہ ہی پلٹ جائیگا — ہر جامہ کا، آستر نظر آئیگا
رحمٰن صفت رحیم میں آئیگا — یہ دائرہ نُقطہ میں سما جائے گا

چھپنے کو ملیگی جا، نہ دنیا میں کہیں — جب سامنے ہوگا مَالِكِ يَوْمِ الدِّين
جب حشر میں شرحِ زندگانی ہوگی — جان شرم سے، تن میں پانی پانی ہوگی
آئیگی صدا، کہ آج بدلہ پالو — یہ ہے! مالك یوم دین ہے، دنیا والو!
ہر ایک عمل کا، پھر اعادہ ہوگا — کچھ کم ہوگا، نہ کچھ زیادہ ہوگا
جو علم میں خامی ہے نکل جائیگی — سانچے میں عمل کے، روح ڈھل جائیگی
ذلت کشِ محبوب کی عزت ہوگی — مالک کے غلاموں کی حکومت ہوگی
جاں کشتوں کی، تازہ زندگی پائیگی — واں بندہ عبدیت کی بن آئیگی
رازِ تخلیق، آشکارا ہوگا — رب کے ہم ہوں گے، رب ہمارا ہوگا
جانباز، صفیں اپنی جمائے ہونگے — معبود سے ٹکٹکی لگائے ہونگے

وجوہ ناضرۃ الی ربها ناظرۃ ۱۲

واں، حلقۂ بندگاں میں مالک ہوگا
مجذوبِ صفت، ہر ایک سالک ہوگا
فتنے من و تو کے سارے سو جائینگے
عبد و معبود، ایک جا ہوئینگے

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن

مالک! مجھے طرز عبدیت سکھلا دے
اپنی منزل کا راستہ دکھلا دے
کیا حال کہوں، کہ تجھ پہ سب ظاہر ہے
بندہ، تری بندگی سے بھی قاصر ہے
گھر اپنا، ذرا گھر سے نکل کر دکھلا
اپنی منزل تو ساتھ چلکر دکھلا
گر، مجھسے سنبھل سکتا، مرا سر پایا
نعبدُ ہی کے ساتھ، نستعین کیوں آیا
کس طرح کریں گے ہم عبادت تیری
اعضا میں، اگر نہ ہوگی قوت تیری
آتی ہے کہاں سے، ہم میں ہم کی آواز
سب ہے یہ ترے ہی دم قدم کی آواز

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْن

مقصد بھی ہے تو ہی تو ہی رہبر میرا
میں تجھسے ہی پوچھتا ہوں رستہ تیرا

سب کچھ لیکر اک استقامت دیدے
صدیق کے صدقہ میں صداقت دیدے

شاہِ بدر و حنین کا صدقہ دے
لا، سیدنا حسین کا صدقہ، دے

ایوبؑ و شعیبؑ کا تصدق دیدے
سلمانؓ و صہیبؓ کا تصدق دیدے

ہاں، دولتِ لازوال دیدے مجھکو
استقلالِ بلالؓ دیدے مجھکو

اغیار کا خوف جسم و جاں سے نکلے
مر کر بھی احد احد زباں سے نکلے

مالک! میں کہاں جاؤں گا، تجھسے ڈر کر
میں تیرے ہی پاس آؤں گا تجھسے ڈر کر

غصہ کی نگاہ سے بچالے مجھکو
دامانِ محبت میں چھپالے مجھکو

اے راہنما! مجھے ضلالت سے بچا
مجھکو، مرے نفس کی مسرت سے بچا

ناداں کو ہوس کی جھیل میں غرق نہ کر
فرعون نما کے نیل میں غرق نہ کر

ہر مسلم رسمی کو، مسلماں کر دے
پیمانۂ زندگی میں ایماں بھر دے

لو مل گئی جانِ مضطرب کو تسکیں
سننا، کوئی کہہ رہا ہے آمین آمین

پیوند نمبر ۲

الایمان بین الخوف والرجا

ای القرآن

جلوہ ترا، ظاہر بھی ہے مستور بھی ہے
بندے سے قریب بھی ہے تو، دور بھی ہے

مشکل ہے ترا کلام۔ آسان بھی ہے
دنیا داری کے ساتھ، ایمان بھی ہے

قانونِ تمدن بھی ہے، عرفان بھی ہے
اس بحر میں گوہر بھی ہے مرجان بھی ہے

اک رشتہ میں جلد بھی ہے، قرآن بھی ہے
اک شخص میں، جیسے تن بھی ہے جان بھی ہے

ترغیب کے ساتھ ساتھ، تہدید بھی ہے
تخویف کی پردہ دار، اُمید بھی ہے

اک آن میں خوف ورجا دونوں ہیں
اک ساتھ، فنا اور بقا، دونوں ہیں

ہر صفحہ ہے، رحمتِ خدا کی تصویر
ہے لفظ دعا میں مدعا کی تصویر

قرآن نے سادگی سکھادی ہمکو
اس خطِ شعاعی نے جِلا دی ہمکو

اس رشتۂ محکم سے بقا ہے ہم کو
کیا نسخۂ کیمیا ملا ہے ہم کو۔

صُورت ہے یہی خدا کی قرآں کی قسم
ایمان مرا یہی ہے، ایماں کی قسم

قرآنِ کریم میں کرامت دیکھی
رباعی ہر جزو کے ساتھ، کل کی شرکت دیکھی

ہر منزل کو اُسی کی منزل پایا — ہر سُورت میں خدا کی صورت دیکھی

پیوند نمبر ۳

اَقِیمُوا الصَّلٰوۃ

برائے تارکانِ صلوٰۃ

رباعی

پایا نہ حیات کا ثمر اک دن بھی — ہم کو نہ ہوا خدا کا ڈر اک دن بھی
کیا حق ہے زمیں پہ پاؤں رکھنے کا ہمیں — رکھا نہیں جب سجدہ میں سر اک دن بھی

برائے مصلیان

رباعی

فطرت ہر چیز کی طرف مُڑتی ہے — ٹوٹی ہوئی چیز آکے پھر جُڑتی ہے
ہوتا ہے نماز میں ہجوم خطرات — گھر جھاڑتے وقت خاک بھی اُڑتی ہے

رُباعی

دلبر کیلئے، ادائے ناز اچھی ہے — عاشق کیلئے رسم نیاز، اچھی ہے
موقع ہے یہی تو اک قدم لینے کا — ہر ایک عبادت سے نماز اچھی ہے

تخلیق کا راز، عبدیت میں ڈھونڈو — ناز اپنا، نیاز کی صفت میں ڈھونڈو

اسرار عبودیت کا، مظہر ہے نماز — آئینۂ اسلام کا جوہر ہے نماز

تکبیر میں نفس کا گلا کٹتا ہے — مغرور کا سر، قلم نما کٹتا ہے

اس بندۂ مسلم کا یہی کیا پایا ہے
اپنے مولا کے سامنے آیا ہے

فتنوں سے جہاں کے، جان چھڑا کر آیا
بندہ، دنیا سے ہاتھ اُٹھا کر آیا

بندے کا قیام ہے خدا کے آگے
فانی کا مقام ہے بقا کے آگے

اس وقت نظر آتی ہے شانِ قیوم
ملتا ہے قیام میں نشانِ قیوم

اللہ کا الف، قیام کی صورت ہے
ارکان میں، یہ امام کی صورت ہے

بندے نے، رکوع میں، بڑی جرأت کی
سر قدموں پہ رکھنے کی اجازت لے لی

ہے عرش سے بھی بلند بام سجدہ
قدموں میں کسی کے ہے مقام سجدہ

سجدہ ہے عروسِ عبدیت کا گہنا
سنتا ہے اسی جگہ، وہ میرا کہنا

سجدہ میں، چھپے ہوئے ہیں اسرارِ نماز
یہ سجدہ، ہے شاہنشہِ دربارِ نماز

اس سرِ بہ زمین شاخ کا پھل اعلیٰ ہے
عالی، معمولی ہے عمل اعلیٰ ہے

پوچھو نہیں سجدہ کرنیوالوں کے دماغ
سر خاک میں، لب پہ ربی الاعلیٰ ہے

مسلم کی تمام آبرو، سجدہ ہے
اللہ، قیام، اور ہو سجدہ ہے

شب ہجر کی شام وصل سے ملتی ہے
جب جھکتی ہے شاخ، اصل سے ملتی ہے

کب راہ یہ زور و زر سے طے ہوتی ہے یہ منزلِ عشق، سر سے طے ہوتی ہے
سر تا بہ تو اٹھاتی نہیں پُر خوں آنکھیں رباعی کس طرح نکال کر میں رکھ دوں یہ آنکھیں
ٹھنڈک ہے عجب سجدے میں سُبحان اللہ تلووں سے کسی کے مل رہا ہوں یہ آنکھیں
بیٹھا ہے ادب سے عبد پیشِ معبود فی مقعدِ صدق کا ہی مصداق قعود
فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر
اسلام میں مصدرِ محاسن ہے سلام مسلم کی سلامتی کا ضامن ہے سلام
ہر دم اُس کی عنایت تازہ ہے رباعی اُس کی رحمت بغیر اندازہ ہے
جتنا ممکن ہو، کھٹکھٹائے جاؤ یہ دستِ دعا خدا کا دروازہ ہے

پیوند نمبر ۲

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ

روح ہے تن میں، نام ربِّ مجید ہے رگِ جاں میں نغمۂ توحید
جب کہا دردِ دل سے یا اللہ ہو گئی شکلِ کوہ، صورتِ کاہ
قوتِ ھُو سے کام ہوتا ہے مفت میں میرا نام ہوتا ہے

اسم ہی سے صفت ہویدا ہے — ہُو کی صورت میں ہو بھی پیدا ہے
جسم میں کیف روح پاتا ہوں — جام ہی کو صبوح پاتا ہوں
تیرے قدموں میں سجدہ کرتا ہوں — ہو کے پیوند خاک اُبھرتا ہوں
پائے اقدس پہ یہ سرِ فانی؟ — چوموں کس طرح اپنی پیشانی
جی رہا ہوں میں تجھ پہ مرنے کو — دور ہوں صرف یاد کرنے کو
ہے مرا کاروبار بیکاری — ہے مراز ورو ورد فقط زاری
وصل کا بس یہی ہے اک حیلا — وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً
پاس میرے ترے لئے کیا ہے؟ — حد مری عبدیت کی سجدہ ہے
یاد ہے مجھ کو اک عمل اعلیٰ — یعنی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ
اس سے آگے مجھے نہیں معلوم — میری تعریف ہے جہول وظلوم
مجھ سے کیونکر تری عبادت ہو — اس تناسب میں کچھ تو نسبت ہو

مجھ سے گر، تیرا حق ادا ہو جائے
پھر یہ بندہ، نہ کیوں خدا ہو جائے

پیوند نمبر ۵

منازلِ نزول

تنزیہ کی بارگاہ سے آیا ہوں
میں دور دراز راہ سے آیا ہوں
پردہ میں جلال کے رہا ہوں برسوں
عالم میں خیال کے رہا ہوں برسوں

بے صورتی اصل میں ہے صورت میری
اثیر میں ہے جلوہ گر لطافت میری
ہے میرا ہی حکم علتِ حسنِ قبول
یہ مادّیت ہی میری طاقت کا نزول

جلبابِ غیاب میں رہا ہوں برسوں
الوانِ سحاب میں رہا ہوں برسوں
میں مہر کبھی ہوا کبھی ماہ ہوا
ہر راہ میں راہ رو کے ہمراہ ہوا

ہے میرا ہی نور، جلوہ گر اسما میں
میں ہی ہوں نہاں حقائقِ اشیا میں
ہیں تا متناہی انتقالات مرے
ہیں فہم سے دور استحالات مرے

سرتا بقدم، عقدۂ لاینحل ہوں
میں مطلق کا تعیّنِ اول ہوں
کھینچا ہے نزول میں محبت نے مجھے
ڈالا زحمت میں میری رحمت نے مجھے

ظاہر ہے کمالِ حسن سے عشق کا رنگ پیدا ہوا خالِ حسن سے عشق کا رنگ
وحدت کے سوا دوئی کا یاں نام نہیں ہے صبح مری تو غیر کی شام نہیں

پیوند نمبر ۶

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(۲) رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

رباعی
ہر اک ذرہ میں کچھ نہ کچھ جوہر ہے ہر قطرہ میں، بحرِ معرفت مضمر ہے
گر آنکھ نہ ہو تو لعل بھی پتھر ہے ہو چشم بصیرت، تو ہے ہر چیز اچھی

رباعی
ہر سنگ ہے طور، چشم بینا کے لئے زنگی بھی ہے حور، چشم بینا کے لئے
ظلمت میں ہے نور چشم بینا کیلئے اعمٰی کیلئے نور میں بھی ظلمت ہے

کیا سمجھے گا جوہر کو، جو بے جوہر ہے کہنے کو تو، اکسیر بھی خاکستر ہے
سرمہ سے جلائے کورِ دل مشکل ہے تبدیلی نقص آب و گِل مشکل ہے
جاہل سبب خیر کو، شر کہتا ہے سرمایۂ سود کو ضرر کہتا ہے

ہے رُوح میں جانِ صحتِ علمی سے
انسان کی ہے شان صحتِ علمی سے

ہے خیر ہی خیر نفس شر وہمی ہے
سب سود ہی سود ہی ضرر وہمی ہے

ہے مہر ہی مہر، قہر کا نام نہیں
ہے صبح وصال، ہجر کی شام نہیں

آئینۂ خوف کا ہے جوہر اُمید
ہے دردِ فراق، موجبِ لذتِ دید

تخلیقِ حکیم، مایۂ سود نہ ہو؟
مصنوعِ حمید اور محمود نہ ہو؟

عالم پہ ہو ورود کیونکر غم کا؟
ضامن ہے وجودِ رحمتِ عالم کا

رحمت پہ ہے بنیادِ دو عالم قائم
قہر آئے تو کس طرح، وَاَنتَ فِیہِم
(ما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم)

ہے جسم میں ہر نفس حجابِ محشر
ہر ذرّہ ہے ایک آفتابِ محشر

جلوہ اُس بے نشاں کا ہر سو ہے
ہر پھول میں رنگ، رنگ میں خوشبو ہے

از نورِ محمدی، برآمد کونین،
محمود شد از ظلِ محمد، کونین

رُباعی

ہر قطرہ ہے جو سپارِ حمدِ باری
ہر پتّہ میں ہے نگارِ حمدِ باری

ہر رنگ میں، جلوۂ محمد ہے یہاں
ہر پھول ہے لالہ زارِ حمدِ باری

حمدِ باری ہے، یا محمد کہنا
ہے شاہدِ وحدت کا رسالت کہنا،

مجموعۂ حمد ہے یہ دنیا ساری
ہر شئے میں ہے جلوۂ محمدؐ ساری

ہے جلوۂ فگن خدا کی رحمت سب میں
حاصل یہ کہ ہے محمدیت سب میں

پیوند نمبر

انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال الخ

تو ہے مجھے بزم میں بلانے والا
میں ہوں تری بارگہ میں آنیوالا

ظالم ہوں جہول ہوں سیہ کار ہوں میں
کس منہ سے کہوں ترا طلبگار ہوں میں

میں کیا ہوں جبال و آسماں کے آگے
کیا گرد کا ذکر، کارواں کے آگے

ہوں بحر عظیم میں مثال خاشاک
اک قطرہ ہے میری ہستی وہ بھی ناپاک

اے لو! وہ عرضنا کی صدا گونج اٹھی
اِناؔ کے جلال سے فضا گونج اٹھی

سب ہٹ گئے ڈر کے پیچھے آنیوالے
کترا گئے صاف، سر اٹھانیوالے

جو سر بفلک تھے انکا اترا چہرا
آخر میرے ہی سر رہا یہ سہرا

اللہ غنی، امین سمجھا مجھ کو
اس خاتم کا نگین سمجھا مجھ کو

مبہوت ہے خلق سن کے قصہ میرا
معبود کی عبدیت ہے حصہ میرا

اِس سینہ میں کائنات رکھ لی میں نے ‎(رباعی)‏ کیا ذکرِ صفات، ذات رکھ لی میں نے
ظالم سہی، جاہل سہی، نادان سہی سب کچھ سہی، تیری بات رکھ لی میں نے

پیوند نمبر ۸

لَا یُکَلِّفُنَا عَلٰی اَنْفُسِنَا

اس کشتیِ تن کو نوح کر دے مولا
اس مادّیت کو رُوح کر دے مولا
بندے میں کمالِ بندہ پرور بھر دے
ہر جزوِ بدن کو کل کا مظہر کر دے
سر جائے تو جائے۔ آبرو رہ جائے
میں اتنا مٹوں۔ کہ صرف تو رہ جائے
باقی رہے پھر، نہ میری خو بو مجھ میں
پھر چھپ نہ سکے کسی طرح تو مجھ میں
اک بار ہوائے نفس ھُو ہو جائے
مقصد مری زندگی کا تو ہو جائے
مِیں کا سرمایہ مجھ سے بالکل کھو جائے
میری مرضی تری ہی مرضی ہو جائے
اِس مردے میں رُوحِ زندگی پیدا ہو
بندے میں کمال بندگی پیدا ہو
اِس عبدِ سیہ کار کو آزاد نہ کر
میرے ہاتھوں سے مجھ کو برباد نہ کر

مجھ کو مجھ پر نہ چھوڑ میرے مولیٰ
اپنے سے مجھے نہ توڑ میرے مولیٰ

اطلاق میں بےشمار بربادی ہے
آزادی میں ہزار بربادی ہے

صیاد کا خوف باغباں کا ڈر ہے
ایسے گلشن سے تو قفس بہتر ہے

میرے لئے جانِ بےجسد بہتر ہے
جلتے ہوئے مہد سے لحد بہتر ہے

میں یہ نہیں کہتا اپنے مانند بنا
مولیٰ! بندے کو اپنا پابند بنا

پیوند نمبر ۹

اکرمکم عند اللہ اتقاکم

ہر دم رہوں کیوں نہ باوضو اے آقا
شہ رگ سے قریب تر ہے تو اے آقا

گندہ کیونکر رہے گا بندا تیرا،
رگ رگ میں پڑا ہوا ہے پھندا تیرا

کس طرح کہوں زباں سے گندہ ہوں میں
اللہ اللہ تیرا بندہ ہوں میں

رباعی

کیونکر نہ کہوں قابلِ تعریف ہوں میں
سر سے پا تک عجیب تالیف ہوں میں

ممکن نہیں تفسیرِ مری صورت کی
اللہ اللہ کس کی تصنیف ہوں میں

رباعی

جانِ حرکت ہوں گرچہ ساکت ہوں میں ہوں مصدرِ نطق گرچہ صامت ہوں میں
واجب کے وجود سے ہوا ہوں موجود یہ ثابت ہے کہ عینِ ثابت ہوں میں

میں پیکرِ خاک ہوں، مرادل تو ہے میں صورتِ ظل ہوں اور ذی ظل تو ہے
تو ہی دل میں ہے۔ اور دل بھی تو ہے اے جان مری، میری آب و گل بھی تو ہے

ہوگی اب اور کیا عنایت تیری منسوب مری طرف ہے قوت تیری
ہے تیرے ہی ہاتھ میں سپید اور سیاہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ

میں کون ہوں اور کیا ہے ہستی میری آباد ہے تیرے دم سے بستی میری
ظاہر کر دونگا تیرا مظہر ہوں میں ہر آن ضمیر ہو میں مضمر ہوں میں

تیری مرضی ہی کے کرونگا اب کام یا رب السَّعْیُ مِنِّیْ مِنْکَ الْاِتْمَام
اِنْشَاءَ اللہ نیک ہو جاؤنگا سارے نیکوں میں ایک ہو جاؤنگا

رباعی

سرمایۂ علم و فضل کھویا میں نے سب دفترِ پارینہ ڈبویا میں نے
بس ہے تری خاک پا تیمم کیلئے اے دوست وضو سے ہاتھ دھویا میں نے

اب چمکونگا پاک ہو کے مثلِ انجم ہے حکم ترا اَکْرَمُکُمْ اَتْقَاکُمْ

اکرمکم عند اللہ اتقاکم

پیوند نمبر ۱

اَلَیسَ اللّٰہُ بِکافٍ عَبدَہٗ

عالم میں ہمارا کون محکوم نہیں (رباعی) دنیا میں ہماری کس جگہ دھوم نہیں
کیا پوچھنا ہے ہمارا اللہ اللہ ہم وہ ہیں کہ خود ہمیں کو معلوم نہیں

جن ہے، یا بھوت، یا کوئی دیوتا ہے (رباعی) اکسیر ہے، کیمیا ہے، یا عنقا ہے
اک عمر سے سُن رہا ہوں میں کی آواز معلوم نہیں ہوا کہ یہ میں کیا ہے؟

"میں ہوں میں ہوں" کی انتہا بھی ہے کوئی اے مدعی خودی خدا بھی ہے کوئی
دو ضد کبھی اک جا نہیں مل سکتے باہم خودی و خدا نہیں مل سکتے

ہو اپنے ہی دوش پر جنازہ اپنا؟ اپنے قدموں کی خاک غازہ اپنا؟
دنیا سے نرالا سانگ تو لایا ہے بھیک اپنے ہی در پہ مانگنے آیا ہے

ڈال اپنے گلے میں تو نہ پھندا اپنا اے مرد خدا نہ بن تو بندا اپنا
انساں کو گھمنڈ اپنے تن پر۔ توبہ مردہ، مغرور ہو کفن پر۔ توبہ۔

ہے عقل پہ اعتقاد توبہ توبہ
اِس ہستی پہ اعتماد - توبہ توبہ

اپنے ہاتوں پہ بوجھ سار الکٹ تک
ٹھیرے گا یہ ہوا میں یہ غبار الکٹ تک

گرتی دیوار کا سہارا کیا خوب
حَيُّ الْقَيُّوْم سے کنارا کیا خوب ؟

اے بندۂ عقل! حَسْبِيَ اللّٰه کہدے
اک بار تَوَکَّلْتُ عَلَى اللّٰه کہدے

قائم ہے اُسی کی ذات سے ارض و سما
رکھ یاد وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا

ہے ارض و سما تمام کرسی اُسکی
ہے قابلِ احترام - کرسی اُسکی

کونین کا وہ سنبھالنے والا ہے
سارے عالم کا پالنے والا ہے

دامن پھیلا نہ اپنا اپنے آگے
کیا رب کافی نہیں ہے بندہ کیلئے
الیس اللہ بکاف عبدہ

پیوند نمبر ۱۱

تزکیہ نفس

آئینہ پہ سانس سے نہ آجائے غبار
پہنچے نہ ہوائے نفس ہُو تک ہشیار

آنچ آئے نہ اُس کی آبرو پر ہشیار
نشتر نہ لگے، رگِ گلو پر، ہشیار

ہاں روک لے اِس کشتیٔ طوفانی کو
چلنے ہی نہ دے ہوائے نفسانی کو

ہے نفس ہی تیرا۔ تیرا دشمن ہشیار
اے طالبِ زیست! نفسِ امارہ کو مار

ہے لطف، کہ آپ آپ سے کھو جائے
نفسِ امارہ مطمئن ہو جائے

دم کے ہمرہ صدائے دمساز آئے
ہر سانس میں اِرجعی کی آواز آئے

شیطان کی پیروی نہ کر اے انسان
مومن ہے اگر، تو مان ربّ کا فرمان

گندی خواہش کو چھوڑ دے اے بندے
بت مادیت کا توڑ دے اے بندے

اس مہر کی آنکھوں میں نہاں قہر بھی ہے
اس نوش کے ساتھ نیش کا زہر بھی ہے

حق کو آلودہ کر دیا ناحق سے
اے طالبِ حق! ہاتھ اٹھا ناحق سے

ہاں دیر نہ کر لگا دے اک وار کہیں
ہو جائے حلال نفسِ مردار کہیں

دِل ہے وہی پاک ہو محبت جس میں
اچھی ہے وہ بات ہو صداقت جس میں

الفت میں اگر لحد ملے مہد سمجھ
گر زہر محبت میں ملے شہد سمجھ

اسرار خدا کی ہے یہی اک کنجی
کھلتا ہے اِسی سے قفلِ کنزِ مخفی

احببت ان اعرف ست رازِ الفت
شد طرزِ حدوث از طرازِ الفت

پیوند نمبر ۱۲

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَتِ اللّٰہِ

میں کہتا تھا لا علمی میں اللہ اللہ | تو آ گیا تخت سے اُتر کر ناگاہ
تیری رحمت سے فیض سب پاتے ہیں | گھورے پہ کبھی برسات میں پھول آتے ہیں
پہنچی مری فریاد ترے کانوں تک | تو نے مرے دردِ دل کی سُن لی دستک
سنتا ہے مری زبان سے تو نام اپنا | لیتا ہے تو میرے ہاتھ سے جام اپنا
نغمہ مری فریاد کا بھایا تجھ کو | میرا رونا پسند آیا تجھ کو
اچھا رہا ہونے سے نہ ہونا میرا | گانے سے تو بہتر رہا، رونا میرا
میرے رونے سے دل پسیجا تیرا | دامن دستِ مژہ سے کھینچا تیرا
اپنے گھر میں تجھے بلاتا ہوں میں | گویا کہ شبانِ عہدِ موسیٰ ہوں میں

رباعی

جاں را، بسرِ زلفِ تو بستن ہوس است | دل، در سرِ راہِ تو شکستن ہوس است
سر بر قدمت نہادہ، با عجز و نیاز | پائے تو ز آبِ دیدہ شستن ہوس است

کیا چیز پسند آ گئی ہے تجھ کو | میری کیا بات بھا گئی ہے تجھ کو

مجھ سے تو جہاں میں اک سے اک بہتر ہے — للّٰہ بتا دے، مجھ میں کیا جوہر ہے

اے ذکر تو وردِ مسبّحانِ ملکوت — رباعی — اے زندہ ز نامِ تو جہانِ ملکوت
اے در کفِ قدرتِ تو جانِ کونین — ترسندہ ز ہیبت روانِ ملکوت

واقف نہیں آداب سے تیرے مولا — تقصیر معاف کردے میرے مولا
تو شاہوں کا شاہ میں اناڑی سا گدا — کیا جانے گنوار تیری تقدیس کی شان

چاہے تجھے اک مشتِ خاک اے افسوس — اس گندہ دہن میں نامِ پاک اے افسوس
لیکن جذباتِ دل نکالوں کیونکر — اس بجلی کے ٹکڑے کو سنبھالوں کیونکر

تا چند مصیبت میں گزاروں یا رب — رباعی — کیونکر ترے در پہ سر نہ ماروں یا رب
لے دیکھ غریب کو سہارا ہے تیرا — جب تو نہ سنے کسے پکاروں یا رب

امجد کا ہے کون اے خدا تیرے سوا — کونین میں کون ہے مرا تیرے سوا
تجھ پر مرنے کے واسطے زندہ ہوں — گندہ ہی سہی، مگر ترا بندہ ہوں

گو بندۂ نا سزا ہوں۔ رَبِّی رَبِّی — رباعی — رحمت پہ تری فدا ہوں رَبِّی رَبِّی
عبدی عبدی اُدھر سے آتی ہے صدا — میں درد میں کہہ رہا ہوں رَبِّی رَبِّی

پیوند نمبر ۱۳

اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ

تو بن کے خیال دل میں آتا ہے کبھی
مرآۃ گماں میں منہ دکھاتا ہے کبھی

صورت دکھلا کے منہ چھپانا کیسا
آنا ہے اگر، تو پھر یہ جانا کیسا

ہر سانس میں پیغام حبیب آتا ہے
جو دن جاتا ہے تو قریب آتا ہے

محسوس میں کر رہا ہوں قربت تیری
آنکھوں میں چھپی ہوئی ہے صورت تیری

ہے نور کی جلوہ گاہ ہر آنکھ مری
چھنتی ہے شعاع، سائے پردے سے تری

فانوس میں نورِ شمع چھپتا ہی نہیں
آنکھوں سے ظہورِ شمع چھپتا ہے کہیں

حائل ہو یہ کائنات میرے آگے؟
اس لاشئے کا ثبات میرے آگے؟

انساں کو درخت اور پتھر روکے؟
شہباز کو، کنجشک و کبوتر روکے؟

کیا یونہی ہمیشہ ٹھوکریں کھاؤنگا؟
میں شمس و قمر ہی میں الجھ جاؤنگا؟

اس نفس کو اپنے دھوکا دونگا اک دن
اِنّی وَجَّہتُ بھی کہونگا اک دن

تیری درگاہ کا ہوں عازم میں بھی
ہوں حسب ما زاغ کا خادم میں بھی

سنتا ہوں ہر اک قدم پہ آہٹ تیری ہر سجدہ میں چومتا ہوں چوکھٹ تیری
آجا چپکے سے میرے آنے والے چھپ جا مرے دل میں منہ چھپانے والے
آنکھوں میں مرے گھر کے اجالے آجا آجا میرے بُلانے والے۔ آجا

رباعی

آجا تنِ بیجاں میں مرے جاں کی طرح رہ خانۂ دل میں میرے، ایماں کی طرح
تیری ہی طرف لگی ہوئی ہیں آنکھیں اک بار اُتر آ کبھی قرآں کی طرح
دل دیر سے آج میرا بیکل کیوں ہے اس درجہ مرے سینہ میں ہلچل کیوں ہے
کیا بات ہے، کیوں ماہیِ بے آب ہے دل کس کے لئے آج اتنا بیتاب ہے دل
اس سینۂ بریاں میں تپش کسکی ہے اعضا کی کشاکش میں کشش کسکی ہے
کیوں چبھتی ہیں آج برچھیاں سینے میں کیوں بال پڑے ہیں دل کے آئینے میں
کیا وقت ہے، تن سے تن گئی ہے ہر رگ فولاد کا تار بن گئی ہے ہر رگ

رباعی

ہے چاند سے چہرے میں گہن کی صورت دل جلتا ہے شمع انجمن کی صورت
خوں بہہ گیا چشمِ تر سے پانی ہو کر پیراہنِ ہستی ہے کفن کی صورت
تسکین نہیں پاتی ہیں میری آنکھیں کیوں جھپ سے لگی جاتی ہیں میری آنکھیں

جاں جسم میں آج اجنبی سی کیوں ہے | سارے اعضا میں کپکپی سی کیوں ہے
ہے منتظر اے دلِ شکستہ کس کا | اے آنکھ تو دیکھتی ہے رستہ کس کا

شاید مرا وقت آگیا خوب ہوا | وہ آکے مجھے بلا گیا۔ خوب ہوا
اس موت نما حیات سے ڈرتا ہوں | زندہ ہونے کے واسطے مرتا ہوں

صد شکر کہ مجھ سے میرا پیچھا چھوٹا | تھی جس میں خودی کی مے وہ ساغر ٹوٹا
اب طائرِ پر بستہ کے پر کھلتے ہیں | ہر خوف میں اُمید کے در کھلتے ہیں

اب زلفِ قضا تا بہ کمر آتی ہے | وہ موت کی روشنی نظر آتی ہے
یہ وہم غلط ہے کہ قضا آتی ہے | بیمار کے واسطے شفا آتی ہے

اب آگئی آخری گھڑی راحت کی | صورت نظر آرہی ہے بے صورت کی

رباعی

جادو نظرے عشوہ گرے می بینم | بے پردہ جمالِ دلبرے می بینم
اکنوں کہ بجلوہ گاہِ نازش ہستم | بر ہر سرِ موئے نیشترے می بینم

ہاں پیشِ نظر جلوۂ قدوس ہے آج | ناقابلِ احساس بھی محسوس ہے آج
یہ آتا ہے آج کون تقدیس پناہ | ہر موئے بدن کہتا ہے سُبحان اللہ

کچھ نورِ لطیف کا پتہ ملتا ہے
وہ حسن کے دریا میں کنول کھلتا ہے

دامن میں گلِ گلشن ہو بھرتا ہوں
ناقابلِ لمس کو بھی مس کرتا ہوں

خوشبوئے مسیحا نفسے می آید
اے روح زتن بروکہ کسے می آید

پیوند نمبر ۱۴

ہُد یشک

تاریک تھی رات اور اندھیرا ہو
آتی تھی صدا کان میں ہو ہو ہو ہو

دل نے کہا یہ کون ہے کہنے والا
ہے کون یہاں خلا میں رہنے والا

دروازہ ہے کون کھٹکھٹانے والا
چپکے چپکے ہے کون آنے والا

شک نے یہ کہا ہوا ہے کچھ اور نہیں
آواز یہ کوئی قابلِ غور نہیں

پھر دل نے کہا یہ نور کیوں پھیلا ہے
یہ جلوہ برق طور کیوں پھیلا ہے

شک نے کہا مہتابی جلائی ہوگی
یاں تک یہ وہی روشنی آئی ہوگی

دل نے کہا آتی ہے یہ خوشبو کس کی
پھیلی ہوئی یہ مہک ہے ہر سو کس کی

شک نے یہ کہا کہ گل کھلا ہو گا کوئی | آتی ہے دماغ میں یہ خوشبو اُس کی
دل نے کہا سامنے یہ کون آتا ہے | شک نے یہ کہا۔ کہ وہم کا پتلا ہے
بولا ایمان، اب مرا کام نہیں | جب شک کے سوا یقین کا نام نہیں

رباعی

جب نام نہیں نشان سے کیا حاصل | عزت ہی نہیں تو شان سے کیا حاصل
ہے جسم میں جان دل میں ایمان نہیں | ایمان نہیں تو جان سے کیا حاصل

پیوند نمبر ۱۵

الفقر فخری

اے مادرِ گیتی! اپنی شاہی لے لے | اے کج روش! اپنی کجکلاہی لے لے
لیلےٰ مری موتیوں کا مالا لے لے | میں چاند نہیں ہوں اپنا ہالا لے لے
ناچا کروں تال سم پہ آخر کب تک | الجھاؤ یہ ہر قدم پہ آخر کب تک
زیور سے مری گلو خلاصی کر دے | پیمانۂ جسم سادگی سے بھر دے
اِس خاک نشیں کو مرگ چھالا دیدے | کمبل مجھے ایک کالا کالا دیدے

دل کیوں نہ جلے گا۔ قاقم و دیبا سے
ملنے دیتے نہیں عزیزوں سے مجھے

فرش مخمل پہ پاؤں تھمتا ہی نہیں
انساں کا قدم کائی پہ جمتا ہی نہیں

پیراہن کبر چاک ہو جانے دے
اس خاک منش کو خاک ہو جانے دے

جوہر مرا خاک میں چمک جائیگا
پودا یہ زمیں میں پھبک جائیگا

پیوند نمبر ۱۶

ترک زینت

نہیں رعایت لفظی کی کوئی پابندی
عروس نظم نے زیور اتار ڈالا ہے

نہ اس میں لطف زباں ہے نہ شوخی بندش
گلے میں سونے کی زنجیر ہے نہ مالا ہے

کلام حق کی لطافت فقط صداقت ہے
کہ دل میں صورت خنجر اترنے والا ہے

بلند ظلمت لفظی سے ہے رخ معنی
کہ جسکو نور کے سانچے میں حق نے ڈھالا ہے

نہیں ہے نظم کو ناز اپنے حسن ظاہر پر
کہ ہے لطیف معانی کو بار لفظ گراں

کمال جوہر اصلی دکھا نہیں سکتا
نہاں غلاف میں جبتک ہے خنجر براں

زباں کے لطف میں جذباتِ دل ہوئے پامال — ترقی مادیت کی ہے روح کا نقصاں

اُصول نظم نے محدود کر دیا بالکل — اب اِن حدود سے آگے بڑھے خیال کہاں

زباں کی قید نے کر دی عبث زباں بندی — محاوروں کا تکلف ہوا ہے مہرِ دہاں

کلام صدق کو کیا کام ہے تصنع سے — نہیں ہے خانۂ دل کو ضرورتِ درباں

رہیگی فطرتِ آزاد تا کجا پابند — رہیگا پائے قدم تا کجے حدث نشاں

بُطون ہو گیا برباد رسمِ ظاہر میں — ہوس میں نام کی معدوم ہو گیا ہے نشاں

نظر سے چھپ گیا نورِ حواس اُجالے میں — ہوئی کمالِ خودی سے ترقی نقصاں

ہوس نے سونے کی زنجیر پاؤں میں ڈالی — صدائے دوست سلاسل کے شور میں ہے نہاں

سہاگ اُجڑے تو میں نو عروس بنجاؤں — گر آنکھ بند کروں باز ہو درِ عرفاں

کفن پہن لوں تو سرمایۂ حیات ملے (قطعہ) بنوں فقیر تو ہاتھ آئے دامنِ سلطاں

حجابِ چہرۂ جاں میشود غبارِ تنم (ایضاً) خوشا دمیکہ ازیں چہرہ پردہ بر فگنم

چرا نہ در پئے عزمِ دیارِ خود باشم (ایضاً) چرا نہ خاکِ کفِ پائی یارِ خود باشم

غمِ غریبی و غربت چو بر نمی تابم — بشہرِ خود روم و شہریارِ خود باشم

خودی کا دم بھروں اے جانِ جاں تیرے ہوتے
مجھے وجود سے اپنے حجاب ہوتا ہے

ہوا ہے عرش نشیں آج خاک کا پتلا
حباب ابھر کے فلک کا جواب ہوتا ہے

بنا ہے قطرۂ ناپاک گوہرِ شہوار
خیالِ اصل سے دِل آب آب ہوتا ہے

ہر آن ایک نئی شان میں ہے ہر ذرہ
پلک جھپکنے میں یاں انقلاب ہوتا ہے

غریب بھول گیا آج اپنی ہستی کو
چراغِ شام کہیں آفتاب ہوتا ہے

نہیں ہے یاد یَدُ اللہِ فوقَ اَیدیھم
کہ مشتِ خاک بھی گردوں جناب ہوتا ہے

مرے کریم گناہوں سے پاک کردے مجھے
میں تیرا بندۂ ادنیٰ ہوں تو ہے بندہ نواز

بھری ہوئی ہے ہوائے محبتِ دنیا
بلند ہو نہیں سکتی ہے صدق کی آواز

بھری ہوئی ہے رگِ جسم میں شرابِ خودی
جو ناز میں ہو کیونکر چلیگا راہِ نیاز

ہوس تو یہ ہے کہ اڑ کر تری طرف آؤں
غضب تو یہ ہے کہ رکھتا نہیں ہوں پرِ پرواز

مکانِ جاں میں تو اے جانِ جاں اگر آئے
تو اپنے دل کو بناؤنگا تیرا اپنا انداز

خودی کا ترک حقیقی خدا پرستی ہے
میں چپ رہوں تو پھر آئیگی یار کی آواز

پیوند نمبر ۱۷

لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلّا مَا سَعیٰ

چھوڑ دے جھوٹی عبادت چھوڑ دے
سُبحہ گرداں سے رشتہ توڑ دے

جائیگی کیونکر بداعمالی تیری
قول کی حد تک ہے قوالی تری

کر رہا ہے عمر کیوں اپنی تباہ
خانقہ میں بیٹھا ہے کیوں خواہ مخواہ

تیرگی میں کیوں پڑا ہے منہ کے بل
روشنی میں آ۔ ذرا باہر نکل

طائرِ سدرہ ہے تو شپّر نہیں
قیمتی گوہر ہے تو پتھر نہیں

کیوں اندھیرے میں پڑا ہے دیر سے
زندہ سگ بہتر ہے مردہ شیر سے

زندہ در گور اپنے ہاتھوں آپ ہے
یہ سمجھ یہ پُن نہیں ہے پاپ ہے

اختیاری جبر سے باہر نکل
اس اندھیری قبر سے باہر نکل

کھول کر دیکھ آنکھ اے خانہ نشین
جس جگہ سے تو چلا تھا ہے وہیں

رحمتِ باری ہے رحمت کے قریب
ہے محبت اسکی محنت کے قریب

ہے یہی محنت عبادت سے سوا
ہے مشقت خوابِ راحت سے سوا

حتی الامکاں کر لے خدمت خلق کی　　رب ہے مستغنی عبادت سے تری
آ اُتر آ خاکِ پر پا بوس کو　　پھینک دے اس خرقۂ سالوس کو
بہر جد و جہد شد تکوینِ ما　　نیست رُہبانیت اندر دین ما
کاہلوں کو مِل نہیں سکتا خدا　　لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
سُوزِ دلِ محبوب کو مرغوب ہے　　عُود کی جا، دِل جلے تو خوب ہے
چاک ہے سینہ، تو کچھ پروا نہیں　　پھُول ہے بیکار، اگر کھلتا نہیں
ہرج کیا، گر تن سراپا داغ ہے　　یہ تو اُس کا رُوح پرور باغ ہے
تن کے خاکی پیرہن پر خاک ڈال　　مثل دانہ پھر زمیں سے سر نکال
اس کی رحمت تجھکو کر دیگی نہال　　پھل ریاضت کا لگیگا ڈال ڈال
طاعتِ رسمی سے کچھ حاصل نہیں　　جو پسندِ یار ہو وہ دل نہیں
طاعتِ رسمی سے وہ بیزار ہے　　ساز ہو نے سوز تو بیکار ہے
بے محبت، زور چل سکتا نہیں　　کام باتوں میں نکل سکتا نہیں
آنکھ سے آنسو بہیں رخ زرد ہو　　کھا دوا ایسی کہ جس سے درد ہو

پیچھے پیچھے درد کے دلدار ہے ۔۔۔ ایک ہی ٹکر میں بیڑا پار ہے

پیوند نمبر ۱۸

اِنَّ اللّٰہَ لَطِیفٌ بِالعِبَاد

تسکین کی صورت نظر آتی ہی نہیں ۔۔۔ ہر ایک یہ پوچھتا ہے۔ کل کیا ہوگا؟
گذریگی لحد میں بعدِ مردن کیونکر ۔۔۔ حال اپنا بُرا ہوگا، کہ اچھا ہوگا
میں کیا جانوں، کہ کل کے دن کیا ہوگا ۔۔۔ رباعی ۔۔۔ لیکن جو کچھ بھی ہوگا۔ اچھا ہوگا
کی جس نے یہاں پرورش آخر دم تک ۔۔۔ واں بھی، وہی کارساز اپنا ہوگا
جب آنکھ کھلی اس اجنبی دنیا میں ۔۔۔ گھبرا گیا نادان، کہ اب کیا ہوگا
آئی وہیں، ماں کے نام کی ایک صورت ۔۔۔ کیا جانئے اس میں کس کا جلوا ہوگا
یہ کون ہے سینہ سے لگانیوالا ۔۔۔ پردیس میں کون ایسا ہمارا ہوگا
کہہ کر مرے چاند، کون لپٹاتا ہے ۔۔۔ یہ مضغۂ گوشت کس کو پیارا ہوگا
ملجائے گا یوں ہی کوئی ہمدم پس مرگ ۔۔۔ نبدآنکھوں سے دیدار کسی کا ہوگا

چمکے گا لحد میں شبِ معراج کا چاند
شمع شبِ اسری کا اُجالا ہوگا
یاں بھی، کوئی آئیگا محمل بنکر
رازِ رحمت سب آشکارا ہوگا
نادان کو یاں مہد میں جس نے پالا
ہمدم وہ لحد میں بھی ہمارا ہوگا

رُباعی
جو معنی مضموں ہے وہی عنواں ہے
واجب ہی میں اک صورت امکاں ہے
محشر ہو کہ قبر زندگانی ہو، کہ ہوت
جو یاں ہے وہاں ہے جو وہاں ہے یاں ہے

پیوند نمبر ۱۹

قبر

جب جان گئی، تو جان جاں تک پہنچا
مل کر مٹی میں آسمان تک پہنچا
ہے مرقد تنگ بطنِ مادر کی طرح
اس گور میں، آرام ملا گھر کی طرح

رُباعی
اس عالمِ فتنہ زا سے روپوش ہوا
جاں بیچ کے قبر سے ہم آغوش ہوا
تسکین جگر نے، دل نے راحت پائی
تن خانہ بدوشی سے سبکدوش ہوا
یہ گوشۂ تنگ، جائے آسائش ہے
یہ غار تو ناقابلِ پیمایش ہے

اِس کی وسعت بغیر اندازہ ہے — فردوس و سقر کا یہی دروازہ ہے
کُلبہ ہے کہیں کہیں محل کی صورت — ہر قبر ہے پیدا ہے عمل کی صورت
تکمیل عمل کی آخری منزل ہے — محشر کے سمندر کا یہی ساحل ہے
یہ شیشۂ عطر زندگی ہے بالکل — بد بو ہے کسی جگہ کہیں نکہت گل
مٹی کا ہے ملا ہوا ہے خاکی تیلا — سانچے میں ڈھلا ہوا ہے خاکی تیلا
دنیا والے بری بھلی کہتے ہیں — ہم تو اسے یار کی گلی کہتے ہیں
مر مر کے سحر میں نے جایا ہے — یاں تک مجھے تیری ہی کشش لائی ہے
آ، اے مرے چھپانے والے آجا — خلوت ہے شب تار ہے تنہائی ہے

پیوند نمبر ۲۰

ترقی در تنزل

فریاد مری تا بہ فلک جاتی ہے — ہر آہ میں واہ کی صدا آتی ہے
یاد اس کی فقط شکستہ دل کرتا ہے — یہ جام عجب ہے ٹوٹ کر بھرتا ہے

ہے موج کرم اشک کی طغیانی میں
کھلتا ہے کنول دل کا اسی پانی میں

میرا رونا، اسے بہت پیارا ہے
ہر قطرۂ اشک آنکھ کا تارا ہے

خود مل گیا خاک میں ملا کر مجھ کو
کیا فتح ہوئی شکست پا کر مجھ کو

پیوند نمبر ۲۱

رنگ میں بھنگ

موزوں نہیں گر نغمہ تو فریاد سہی
کچھ بھول گیا ہوں میں یہی یاد سہی

جب زینتِ دنیا سے مرا گھر بھر جائے
جب حرص و ہوا کی مے سے ساغر بھر جائے

احباب بھی ہوں لطف کا ساماں بھی ہو
جب عطر بھی ہو ڈلی بھی ہو پان بھی ہو

دلچسپ فضا ہو چاندنی رات بھی ہو
اک ماہ جبیں کے ہاتھ میں ہاتھ بھی ہو

جب ناچ بھی ہو راگ بھی ہو رنگ بھی ہو
روئی بھی ہو چقماق بھی ہو سنگ بھی ہو

جب اڑتے ہوں قہقہے ہر اک نا کے ساتھ
جب طبلے پہ پڑ رہے ہوں قوال کے ہاتھ

جب ہر دل مردہ شادماں ہو جائے
جب گھر مرا کشتِ زعفراں ہو جائے

جب مجھ کو جہان کے خزانے مل جائیں — سارے عالم کے کارخانے مل جائیں
جب ہو یہ خیال، خاک پر کون چلے — ہو سونے کی اینٹ میرے قدموں کے تلے
قدموں کا نشان نقش تسخیر بنے — جب ہاتھ میں خاک لوں تو اکسیر بنے
ہیں سونے کی اشرفی کو پائی سمجھوں — فرش مخمل کو محض کائی سمجھوں
جب پھولوں کی سیج پر مجھے نیند نہ آئے — جب میرا دماغ عرشِ اعلیٰ پر جائے
بدمست کو کر دے باخبر اے مولیٰ — بس یاد دلا دے اس قدر اے مولیٰ

بس اتنے ہی نشہ میں یہاں چور ہے تو
اصلی آرام سے ابھی دور ہے تو

جب ٹوٹ پڑے پہاڑ غم کا سر پر — باقی رہے زور جب نہ زور و زر پر
اس وقت کہ رہنما ہی رہزن ہو جائے — اس وقت کہ خاص دوست دشمن ہو جائے
تنکے کا غریب کو سہارا نہ ملے — ظلمت کدۂ دہر میں تارا نہ ملے
اعصاب حصارِ کرب میں گھر جائیں — اس وقت کہ غم سے تیلیاں پھر جائیں
تکلیفِ اجل یاد دلا دے مجھ کو — حرفِ لحد و حشر سنا دے مجھ کو

جب جل اُٹھے غم سے تن کا ذرہ ذرا
قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا
کہو، کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ تیز ہے

پیوند نمبر ۲۲

مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ

رباعی

کامل نہ جہالت ہے نہ آگاہی ہے
کچکول گدائی نہ سر شاہی ہے
سر ڈھانکتا ہوں تو پاؤں کھل جاتے ہیں
کیا جامۂ زندگی کی کوتاہی ہے

لاعلمی کی زیست موت سے بدتر ہے
ہر سانس میں اک چھپا ہوا خنجر ہے

رباعی

سانچے میں اجل کے ہر گھڑی ڈھلتی ہے
دن رات یہ شمع زندگی جلتی ہے
ہے وجہ حیات آمد و رفت نفس
یا عمر کے حلق پر چھری چلتی ہے

ہر وقت دل ستم زدہ طوف میں ہے
اک پاؤں اُمید میں ہے اک خوف میں ہے
ہم ٹوٹ ہی سکتے ہیں نہ جڑ سکتے ہیں
گر سکتے ہیں اکبار، نہ اڑ سکتے ہیں

اس دو عملی میں زندگانی ہے تباہ
لب پر کبھی لَآ اِلٰہَ کبھی اِلَّا اللہ
منزل ہی نہیں یہاں مسافر کیلئے
یاں شاخ نشیمن نہیں طائر کیلئے

کہتا ہے ہر اک مقام آگے بڑھیے ۔ کیجئے نہ کہیں قیام آگے بڑھیے

دل بزم طرب سے دل شکستہ نکلا ۔ سمجھا تھا جسے مقام رستہ نکلا

مانند ہوا فضا میں آوارہ ہوں ۔ ضدی بچے کا گویا گہوارہ ہوں

آسان ہے بندے سے کرامت ہونا ۔ لیکن مشکل ہے استقامت ہونا

ہر آن چلا جاتا ہے ہنسنا رونا ۔ ممکن ہی نہیں ہے ایک کروٹ سونا

معجون سرور و دردمندی ہوں میں ۔ مجموعۂ پستی و بلندی ہوں میں

بیداری و خواب میں مذبذب ہوں میں ۔ موت اور حیات سے مرکب ہوں میں

منزل نہیں معلوم مگر چلتا ہوں ۔ قالب کی خبر نہیں مگر ڈھلتا ہوں

دل سینے میں بے سبب دہل جاتا ہے ۔ چٹکے سے کلیجہ کوئی مل جاتا ہے

ہر دم کروٹ دل تپاں لیتا ہے ۔ یہ کون جگر میں چٹکیاں لیتا ہے

رباعی

سوتا ہوں تو چٹکے سے جگا دیتا ہے ۔ جب جاگ اٹھتا ہوں پھر سلا دیتا ہے

ہنستے کو رلا دیتا ہے چٹکی لیکر ۔ روتا ہوں تو پھر ہنس کے ہنسا دیتا ہے

رباعی

اس کی میری موافقت مشکل ہے ۔ عبد اور رب میں مناسبت مشکل ہے

ہے حسن کا کمال کُلَّ یَومٍ ھُوَ فِی شَان ایسے مالک کی عبدیت مشکل ہے
شکوہ اُس کے غضب کا کرتا بھی ہوں رباعی ہر سانس میں پھر دم اُسکا بھرتا بھی ہوں
مالک میں مرے مہر بھی ہے قہر بھی ہے مرتا بھی ہوں اُسپہ اُس سے ڈرتا بھی ہوں

پیوند نمبر ۲۳

روح و جسم

تخصیص کے اعتبار نے عام کیا اس نام نے مجھ کو خوب بدنام کیا
ہے نام کے ساتھ ساتھ بدنامی بھی اظہار میں پختگی کے، ہے خامی بھی
جو خاک نشیں رہا، وہ انسان ہوا سمجھا جو انا کو خیر شیطان ہوا
گوشِ حسّی میں ہے فنا کی آواز اِس جسم کے دم سے ہے انا کی آواز
کس واسطے مشتِ خاک میں دم آیا جبری سانسوں سے ہے ناک میں دم آیا
تاریکی میں ہوں ہائے آن مُردے کی طرح ہے مرقدِ تن میں جان مُردے کی طرح
یوسف ہے اگر جان تو زنداں ہے تن رحمان ہے گر روح تو شیطان ہے تن

سچ یہ ہے کہ وجہ روسیاہی ہے بدن
یونس ہے اگر جان تو ماہی ہے بدن
اب میرے بنائے تو نہیں کچھ بنتا
اقرار ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ

ہیں جسم کے یہ حدود ظلمت کا سبب
رباعی ہے ایک مرا نمود ظلمت کا سبب
ہے ارض و سما میں نور ہی نور تمام
ہے صرف مرا وجود ظلمت کا سبب

ہاں روح کی جسم سے بڑی یاری ہے
اس خفتہ نے بیدار کی رہ ماری ہے
ہے عارض جان پہ مادیت کی نقاب
ہے شاہد باقی پہ فنا کی جلباب

بیداد یہ صیاد کمر بستہ ہے
رباعی کس طرح نکل سکوں کہ در بستہ ہے
کہدے کوئی میرے ہمصفیروں سے ذرا
اک طائر اوج سدرہ پر بستہ ہے

کس جرم پہ دیگئی ہے اس کو تعزیر
کیوں جان کے پاؤں میں ہے تن کی زنجیر
رکھا اس تن نے یار سے دور مجھے
اس قلعہ نے کرلیا ہے محصور مجھے

برباد کیا ہوائے نفسانی نے
مٹی میں ملایا پیکر فانی نے
ہر وقت رگ گلو پہ خنجر کیوں ہے
فردوس کے دروازہ پہ اژدر کیوں ہے
ہے مانع دید جسم پردا بن کر
تن دل میں کھٹک رہا ہے کانٹا بن کر

سوزن ہے تمام جسم پر، مو بنکر (رباعی) تلوار کھنچی ہوئی ہے ابرو بنکر
کس طرح بچاؤں جان اپنی ان سے اعضا لپٹے ہیں سانپ بچھو بنکر
یہ نفس وہ زخم ہے کہ بھرتا ہی نہیں سر اس کا ہزار کچلو مرتا ہی نہیں

(اقتضار جسمانی)

چلتا ہوں تو سامنے پہاڑ آتا ہے جب دیکھئے تب یہ پردہ اڑ آتا ہے
مایوسی میں ادبدا کے رہ جاتا ہوں سیلاب میں حسرتوں کے بہہ جاتا ہوں
تن سدّ در حبیب بن کر آیا یہ جسم، مرا رقیب بن کر آیا
تیرے قدموں پہ سر گرے میں دیکھوں؟ تجھ کو یہ جسم مس کرے میں دیکھوں

صورت تری تک رہی ہیں میری آنکھیں (رباعی) جلوے سے چمک رہی ہیں میری آنکھیں
تیرے چہرے پہ میری آنکھوں کی نظر آنکھوں میں کھٹک رہی ہیں میری آنکھیں
فانی کو ترے حضور میں پیش کروں ظلمت دربار نور میں پیش کروں

باقی سے ملوں فنا کی صورت لیکر؟ (رباعی) رب العزۃ کے آگے ذلت لیکر؟
اے مادیت سے دور! تو ہی فرما آؤں ترے پاس مادیت لیکر
میں بیچ میں فصل ہوں تماشا تو یہ ہے خود مانع وصل ہوں تماشا تو یہ ہے

سر تا بقدم ایک تماشا ہوں میں (رباعی) معلوم نہیں کون ہوں اور کیا ہوں میں
سنگ رہ مقصود ہے ہستی میری — اپنی صورت پہ آپ پردا ہوں میں

خود اپنی ہی دریافت سے مایوس ہوں میں (رباعی) حیرت ہے کہ خود سے غیر مانوس ہوں میں
ہر چند حواس نے بہت سر مارا — محسوس ہوا کہ غیر محسوس ہوں میں

کیا سے کیا ہو گیا ہوں حیرت یہ ہے — میں آپ میں کھو گیا ہوں حیرت یہ ہے
اس جسم کو کس طرح مٹا دوں یا رب — اس فتنہ کو کس طرح سلا دوں یا رب

کس طرح میں آپ کو ٹٹولوں یا رب (رباعی) کیونکر ہستی سے ہاتھ دھولوں یا رب
مخفی ہے تعیُّن ہی میں اطلاق کا راز — کیونکر گرہ وجود کھولوں یا رب

جواب

اس میں کو مٹا کے میری جان تو کر دے — ھُو کہہ کے ہوائے نفس کو چھو کر دے
منہ موڑ لے اقتضائے نفسانی سے — اخلاص نہ جوڑ، دشمن جانی ہے
اس حد سے نکل کہ غیر محدود ہے تو — بت مادیت کا توڑ محمود ہے تو
بس ایک صدا سنا دے الا اللہ کی — اک ضرب اس پر لگا دے الا اللہ کی

ہے وجہِ بقا، پیکرِ فانی کی فنا
جب نفی کی نفی کی تو اثبات ہوا

ہے ابر کی تہ میں ماہِ طلعت بھی کوئی
مورت میں چھپی ہوئی ہے صورت بھی کوئی

دم سادھے ہوئے رباب میں راگ بھی ہے
اس مادیت سنگ میں آگ بھی ہے

یہ خشک شجر سرو بھی تھا پہلے
یہ راکھ کا ڈھیر، آگ ہی تھا پہلے

سیپی میں نہاں ہے گوہرِ یکتا بھی
پوشیدہ اسی جھاگ میں ہے دریا بھی

ہے بادۂ کوثر اسی پیمانے میں
کنز مخفی دبا ہے ویرانے میں

جو نظروں سے دور ہے وہ ہے ہمرہ بھی
ہے پردۂ لا آئینِ الّا اللہ بھی

انّا میں گنہ نہیں ہے للہ کے ساتھ
تکلیف سفر نہیں ہے ہمراہ کے ساتھ

آئینہ ہے ہر حجاب شاغل کے لئے
دہی ہے ہر ایک شکل عاقل کے لئے

رُباعیات

اس ابر کی تہ میں برقِ خنداں بھی ہے
یہ گوشۂ تنگ محشرستان بھی ہے
بجلی سی بھری ہوئی ہے اس کے اندر
یہ تن کا پہاڑ، آتش افشاں بھی ہے

بچپن ہی کے پہلو میں جوانی بھی تو ہے
باقی ہی کے آغوش میں فانی بھی تو ہے
سمجھے ہو غلط روح جدا جسم جدا
جو برف کی شکل ہے وہ پانی بھی تو ہے

اِس جسم کی کیچلی میں اک ناگ بھی ہے
آوازِ شکستہ دل میں اک راگ بھی ہے
بیکار نہیں بنا ہے اک تنکا بھی
خاموش دیا سلائی میں آگ بھی ہے

دلبر دلِ بیقرار میں پنہاں ہے
آئینہ اسی غبار میں پنہاں ہے
ہے شاہدِ نور پردۂ ظلمت میں
بجلی بجلی کے تار میں پنہاں ہے

تو خاص رموزِ حق کا گنجینہ ہے
اسرار سے لبریز ترا سینہ ہے
مرآۃ جمال پاک ہے روح لطیف
یہ جسم ترا روح کا آئینہ ہے

یہ سنگ نشاں ہے منزلِ وحدت کا
پیدا نہ ہوا کوئی بشر اس صورت کا
انسان جسے کہتے ہیں دنیا والے
قدِّ آدم ہے آئینہ قدرت کا

نورِ رخ دلستان بدل اندر جو
دُرِّ مکنون بدید ہائے تر جو
در قالبِ خاک ہست صد جلوۂ پاک
اے تیرہ درون شر رنجا کستر جو

میدانِ عمل میں گام زن ہے حرکت
خورشید سکون کی اک کرن ہے حرکت

ہوتی نہیں ابتدا بساکن امجد
ہے جان، مثالِ حرفِ تن، حرکت ہے

پیوند نمبر ۲۴

غم

غم ہے ترا، تیری یادگار اس دل میں
آتا جاتا ہے بار بار اس دل میں

غم آ کے، تری یاد دلاتا ہے مجھے
چپکے سے تری طرف بلاتا ہے مجھے

ہر مس میں اک نیا مزہ پاتا ہوں
ہر آہ کے ساتھ ہو بھی کہے جاتا ہوں

غم کے پردہ میں، تو نظر آتا ہے (رباعی)
جلتی ہوئی شاخ میں ثمر آتا ہے

ہے زخم جگر میں، تیری ہستی کی صور
ہر چوٹ کے ساتھ تو ابھر آتا ہے

ہے حال مرا بُرا بہت اچھا ہے
جب تو ہے شریکِ غم تو پھر غم کیا ہے

یہ درد تو، خضر رہنما ہے میرا
از پا افتادگی عصا ہے میرا

غم رہبر گمرہان ہے میں مانتا ہوں
غم میں مری بہتری ہے میں جانتا ہوں

ہے رنج کی تہ میں گنج پہچانتا ہوں
ہے عسر کے ساتھ یسر میں جانتا ہوں

لیکن اس دل میں صبر کی تاب نہیں
اس گوہر جان میں ضبط کی آب نہیں

کس طرح دل نرم پہ پتھر رکھوں
سونے کی چھری سینے میں کیونکر رکھوں
تیز ایسی، کہ سینے سے لگائے نہ بنے
وہ سنگ گراں ہے کہ اُٹھائے نہ بنے

دل میں تری یادگار کیونکر رکھوں
کس طرح، رگ گلو پہ خنجر رکھوں
اک چرکے میں شور الاماں اُٹھتا ہے
ہر سانس کے ساتھ، اک دھواں اٹھتا ہے

جل جل کے جگر میں، خون گھٹ جاتا ہے
کھنچتی ہیں رگیں دماغ پھٹ جاتا ہے
غم کے پیرایہ میں، اجل آتی ہے
اک پھونک میں شمع عقل بجھ جاتی ہے

غم کی شدت سے دل پگھل جاتا ہے
صبر و طاقت کا منکا ڈھل جاتا ہے
تکلیف میں رحم کون فرماتا ہے
آنسو بھی تو آنکھ میں نہیں آتا ہے

آنکھوں کے تلے اندھیرا آجاتا ہے
جب غم آتا ہے، دم نکل جاتا ہے
تکلیف میں ڈالتا ہے کیوں غم دیکر
اپریشن کر، کلورافارم دیکر

خطرے کے خطر سے بےخطر تو کردے
اِس حزن و خبر کو بےخبر تو کردے
غم کے ہمرہ سکون بھی سمجھادے
ہر ظاہر کا بطون بھی سمجھادے

اے حجلہ نشیں! ذرا اُٹھادے پردے (رباعی) داماں نظر تجلیوں سے بھردے

ہر ذرہ میں شانِ کبریائی دیکھو
اِس چھوٹی سی آنکھ کو کلاں بیں کر دے

رازِ حکمت سے سینہ بھر دے پہلے
اسرار سے باخبر تو کر دے پہلے

رُباعی

خواہش یہ نہیں کہ درد رخصت ہو جائے
یہ فکر نہیں کہ دورِ زحمت ہو جائے

اے رب مجھے صبر دے اگر یہ بھی نہیں
پھر صبر ہی سے صبر عنایت ہو جائے

میں یہ نہیں کہتا کہ نہ دے غم مجھ کو
دے رنج کے ساتھ قلبِ محکم مجھ کو

مولا! مجھے تکلیف میں لذت مِل جائے
حکمت کی ہوا سے غنچۂ دِل کھل جائے

جواب

لاعلمی کے باعث ہے وجودِ تکلیف
ہے تنگیٔ دِل، وجہِ نمودِ تکلیف

ہے درد و الم، تری حماقت کا ثمر
تکلیف ہے یہ تری جہالت کا ثمر

کیوں علم کو فرض کر دیا تھا ہم نے؟
کیوں روزِ ازل عہد لیا تھا ہم نے؟

کس واسطے قرآن اُتارا ہم نے؟
کیوں راز کیا سب آشکارا ہم نے؟

تیرے لئے، میرے بندے! سب ہے تیرے لئے
ہر چیز ترے لئے ہے، تو میرے لئے

افسوس، تو اپنے فرض کو بھول گیا
نادان ہوائے نفس سے پھول گیا

کب تو نے تلاش علم کی مرد خدا
کب تو نے کہا تھا "رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا"

ہاں فلسفۂ غم کو سمجھ لے پہلے
اِس معنیٔ مبہم کو سمجھ لے پہلے

بنیا ہے تو دیکھ غم میں عم کی صورت
ہے قالبِ موت میں ارم کی صورت

غم کے اندر، سُرور کا پودا ہے
خاکی گملے میں نور کا پودا ہے

رُباعی

ہے رحمتِ حق پشت و پناہِ مغموم
آغوشِ خدا ہے خوابگاہِ مغموم

گر عرش کو زلزلہ ہو، حیرت کیا ہے
اللہ ہے منتہائے آہِ مغموم

رُباعی

زلفِ پیچاں کی لہر میں ناگ بھی ہے
دودِ آہِ غریب میں آگ بھی ہے

ہے دل شکنِ تار مضراب کی ضرب
ہر چوٹ کے ساتھ ساتھ راگ بھی ہے

رُباعی

دلبر دلِ مضطر میں نظر آئے گا
یہ زخمِ جگر رنگ کبھی لائے گا

ممکن ہے کہ درد ہی دوا ہو جائے
دل خون تو ہو مشک بھی ہو جائیگا

رُباعی

سرمایۂ زندگی ہے کھونے کے لئے
سب جاگ رہے ہیں صرف سونے کیلئے

بے وجہ نہیں ہے سکرۃ الموت، امجد
پیتے ہیں شراب مست ہونے کیلئے

کی جاتی ہے گدگدی ہنسانے کیلئے
ڈھاتے ہیں مکان نیا بنانے کیلئے

ہے گرچہ گرانبار، حمل کی صورت
دھو دیتی ہے غم آج کا کل کی صورت

غم آئینۂ جان کیلئے صیقل ہے
یہ رنج نہیں مسرتِ مجمل ہے

تفصیل ہے رنج کی خوشی کی صورت
ہے دل شکنی میں دلکشی کی صورت

ہر قطرۂ اشک را اگو ہر گیرند
رباعی
ایں دیدۂ تر بجام کوثر گیرند

کس چیز شکستہ را نہ گیرد ما ہیچ
اما دل شکستہ، گراں تر گیرند

جز سوز و گداز اے دلِ سوزاں مطلب
رباعی
جمعیت دل، دلِ پریشاں مطلب

خود درد دوائے علتِ دردی ست
چوں درد نصیب تست درماں مطلب

سرنامۂ قرآن کو الم سمجھا ہے
تمہید خوشی ہے جس کو غم سمجھا ہے

ہے غم کا وجود بھی مسرت کیلئے
ہے داروئے تلخ صرف صحت کیلئے

صحت کا مزا ملتا ہے، آزار کے بعد
اقرار میں اک لطف ہے انکار کے بعد

ہے نور کا اشتداد، ظلمت کا سبب
ہے تصفیۂ زخم، عفونت کا سبب

ہوتا نہ اگر غم تو، خوشی کیا ہوتی
سب سر جھکتے تو سرکشی کیا ہوتی

شادی کی مسرت دلِ ناشاد سے ہے　　اشیاء کی شناخت صرف اضداد سے ہے
جو دل ہے خدا ترس تپاں رہتا ہے　　جو پانی ہے شفاف رواں رہتا ہے
ہے حرفِ ہجاء کا یاد کرنا مشکل　　لیکن ہے یہی تو جانِ علم اے غافل
مخفی ہے شجر جس میں یہ وہ دانہ ہے　　یہ رنج نہیں خوشی کا پیمانہ ہے
کیوں ڈر کے مرا جاتا ہے نزدیک تو آ　　تو اس کی سبہ نقاب سے خوف نہ کھا
اجمال کی پھر بعد میں ہو گی تفصیل　　گردن تو جھکا دے صورتِ اسمٰعیل
ایسی کوئی بات قابلِ غور نہیں　　غم کیا ہے فقط وہم ہے کچھ اور نہیں
جاہل نادان خوف سے کانپ نہیں　　رسی ترے کام کی ہے یہ سانپ نہیں
مورکھ تجھے اتنی بھی تو پہچان نہیں　　سایہ ہے ترا جن نہیں شیطان نہیں
آزادیِ عقل کو جنون سمجھا ہے　　کیفیتِ قبض کو سکون سمجھا ہے
کر وہم کو دور اے خیالی بندے　　بازیچۂ اطفال ہیں گورکھ دھندے
دامن دُرہائے معرفت سے بھر لے　　شکّی انسان! یقین پیدا کر لے
دولت سے خوشامد سے نہ تعریف سے ہے　　تکمیل انساں کی صرف تکلیف سے ہے

چلتے ہوئے اک علاجِ غم بھی سن لے
دو پھول مرے باغِ کرم سے چن لے
لے صبر و صلوٰۃ سے اعانت ہر دم
اس عالمِ غم کا ہے غنیمت ہر دم
تکلیف میں میرا نام۔ تو لیکے تو دیکھ
یا ربّ محمّدؐ کی صدا دیکے تو دیکھ
بس دفع یہ سب جنون ہو جائیگا
انشاء اللہ سکون ہو جائیگا

پیوند نمبر ۲۵

آواز

اپنے نغموں میں تیری لے سنتا ہوں
میں اپنی صدا پہ آپ سر دھنتا ہوں
اپنی ہی صدا سے مست ہو جاتا ہوں
اپنے افسون سے آپ سو جاتا ہوں
تا عرش پہنچتی ہے فغاں کی آواز
کس درجہ قوی ہے ناتواں کی آواز
اس کھوکھلی نے میں ہے غنا کی آواز
آتی ہے کہاں سے یہ انا کی آواز
کس درد بھری صدا سے چلاتی ہے
کس ناز سے یہ بانسری غضب ڈھاتی ہے
کیا جانئے کیا گزر رہی ہے دل پر
روتی ہے غریب ہچکیاں لے لے کر

ہر وقت یہ کیوں آہ و فغاں کرتی ہے   جب دیکھئے تب یہ سسکیاں بھرتی ہے
کمبخت کی راگنی ہے دل کش کیسی   اس ہیزمِ خشک میں ہے آتش کیسی
کھلتا ہی نہیں کسی طرح راز اس کا   معلوم نہیں کون ہے دمساز اس کا
کس کے منہ سے لگی ہوئی ہے یہ نے   کیا چیز ہے سوز، راگنی ہے کیا شئے
ہر ایک کو یہ شعلہ جلا دیتا ہے   آواز کا فلسفہ الٰہی! کیا ہے؟
آواز سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے   آتی ہے کہاں سے، اور کہاں جاتی ہے
ہے چار طرف اسی کے اعجاز کا غل   ہے سارے جہاں میں صرف آواز کا غل
سارے عالم میں جانِ عالم ہے یہی   گانے رونے کا جزوِ اعظم ہے یہی
اس میں کوئی پوشیدہ حقیقت تو نہیں   آواز یہ زندگی کی صورت تو نہیں
نغمہ کے ہر ایک سُر پہ سر دھنتا ہوں   دیکھا نہیں آج تک مگر سنتا ہوں
اس ہستیٔ صامت کو سخن نے مارا   مجھ کو تو تری صدائے کن نے مارا

رباعی

مجھ میں ہے چھپی ہوئی کوئی شئے تیری   نغموں میں مرے ضرور ہے لَے تیری
صورت سے تو آشنا نہیں ہیں آنکھیں   آواز کہیں سُنی ہوئی ہے تیری

پیوند نمبر ۲۶

من و تو

کیا عمر مری تمام بیکار گئی؟ کیا سب مری صبح و شام بیکار گئی؟
کیا مفت گزر گئی جوانی میری؟ کیا فعلِ عبث تھی زندگانی میری

ہرگز نہیں، ایسا تو نہیں ہو سکتا اس شہر میں، کوئی کچھ نہیں کھو سکتا
ضائع ہوتا نہیں ہے، اک تنکا بھی بیکار نہیں بنا ہے اک ذرا بھی
باطل کا خیال ہی ہے سارا باطل حق یہ ہے کہ مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلً
رشکِ گہرِ یتیم ہے ہر ذرّہ۔ زیرِ اثرِ حکیم ہے۔ ہر ذرّہ
خورشید بنا ہوا ہے ذرّہ ذرّہ حکمت میں ڈھلا ہوا ہے ذرّہ ذرّہ
ذرّہ ذرّہ پہ اقتدار اس کا ہے ہر جزو پہ میرے اختیار اس کا ہے
جائیگا کہاں بھاگ کے بندہ اسکا رگ رگ میں پڑا ہوا ہے پھندا اُسکا

رُباعی

یا دستِ ہوا میں بحرِ مواج ہوں میں یا پنجۂ شہباز میں دُرّاج ہوں میں
ہر چند، نہیں ہے علمِ محتاجِ الیہ اتنا تو ضرور ہے کہ محتاج ہوں میں

جھوٹی ہے مری تمام لن ترانی ساری
حق کے تابع ہے زندگانی ساری

مومن ہو کہ بت پرست سب کا تو ہے
ہاں ملہم ہر فجور و تقویٰ تو ہے
زیرِ اثرِ بطون، ہر اک ظاہر ہے
ہر لمحۂ زندگی پہ تو قادر ہے

رباعی
ہے صحت بیمار دوا کا باطن
یہ جلوۂ فانی ہے بقا کا باطن
جس طرح بطونِ تخم ہوتا ہے شجر
یہ عالم ظاہر ہے۔ خدا کا باطن

تکلیف کبھی دی کبھی آرام دیا
تو نے جو چاہا مجھ سے وہ کام لیا
میں کیا کر سکتا تری مشیت کے سوا
کیا کہہ سکتا تھا، جانِ فدا یت کے سوا

رباعی
پابندِ خیال، میری تقریر رہی
آزادی پہ بھی پاؤں میں زنجیر رہی
تھا جتنا خدا کا حکم۔ کوشش کرلی
تدبیر بھی وابستۂ تقدیر رہی

رباعی
تقدیر سے کیا گلہ، خدا کی مرضی
جو کچھ بھی ہوا، ہوا، خدا کی مرضی
امجد ہر بات میں کہاں تک کیوں کیوں
ہر کیوں کی ہے انتہا خدا کی مرضی

رباعی
یہ نافۂ مشک ہے کہ خوں ہے کیا ہے؟
اعجاز ہے سحر ہے، فسوں ہے کیا ہے؟
منہ موت نے بند کر دیا آخر کار
ہم کہتے ہی رہ گئے یہ کیوں ہے کیا ہے؟

میری فطرت میں بندگی ہے تیری — کٹھ پتلی کی طرح زندگی ہے میری

معلوم ہے سب تجھے کہ میں کیسا ہوں — تو نے جیسا بنا دیا ویسا ہوں

معلوم ہے تجھ کو، سارا قصہ میرا — تخلیق میں کچھ نہیں ہے حصہ میرا

معدوم کو موجود کیا ہے تو نے — پیراہنِ زندگی سیا ہے تو نے

جامہ تیرا ہے، رنگ بھی تیرا ہے — تو نے مجھے سر سے پاؤں تک گھیرا ہے

اک قطرۂ خون بھی تو نہیں ہے میرا — ہر جزوِ بدن ہے میرا، اے کل تیرا

ہے روح کے بال و پر میں پرواز تری — اس میں میں بھی آ رہی ہے آواز تری

در دہر من از وجود تو موجودم — گر من گویم ز من توئی مقصودم

ہر آخر کی ہے انتہا، اول پر — ہر پیڑ کھڑا ہوا ہے، جڑ کے بل پر

میں کے دھوکے میں میں رہونگا کب تک — میں میں نہیں ہو سکتا ہو تو جب تک

(رباعی)

بجتا ہو ستار، اور مضراب نہ ہو — پھیلی ہوئی چاندنی ہو مہتاب نہ ہو؟

میں ہو ہی نہیں سکتا، نہ ہو تو جب تک — ممکن ہی نہیں، حباب ہو آب نہ ہو

بے ذات وجود سایہ، ناممکن ہے — دیوار بغیر پایہ ناممکن ہے

دیوار اگر گرے تو پایہ نکلے
قطرہ کا جگر چیریں تو دریا نکلے

افلاک ہو یا زمیں مرے ساتھ ہے تو
میں جاؤں جہاں کہیں مرے ساتھ ہے تو

اس ہیں کے لباس میں نمایاں تو ہے
ان پانچوں حواس میں نمایاں تو ہے

ہے پیکر فانی میں، بقا کی آواز
ہے میری خودی میں بھی خدا کی آواز

رُباعی

من نقطہ مثالم تو محیطِ اعظم
اے جلوۂ تو غیر مکرر ہر دم

در عالمِ وصل نیست فرقِ من و تو
گہہ تو گویم گہے بگویم کہ منم

ابنِ آدم میں آدمیّت تو ہے
واللہ، کہ اس ہیں کی حقیقت تو ہے

ہر فعل کا میرے خاص منشا تو ہے
مانند دلیل میں ہوں، دعویٰ تو ہے

ثابت کرتی ہے تیرا ہونا ہر شئے
میں ہو کے نہیں ہوں تو، نہ ہو کر بھی ہے

رُباعی

تدبیر کی شکل میں ہوں تقدیر ہے تو
کہنے کو زباں میں ہوں تقریر ہے تو

میں مثل سراب، اور تو آبِ لطیف
میں خواب کے مانند ہوں تعبیر ہے تو

پیوند نمبر ۲۷

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ

میں اور ترا انتظار، اللہ اللہ
میں اور کروں تجھ کو پیار۔ اللہ اللہ

یہ ہاتھ بڑھے ہیں صرف لینے کیلئے
کیا چیز ہے میرے پاس دینے کیلئے

محتاج، فقط دستِ دُعا رکھتا ہے
غربت کے سوا غریب کیا رکھتا ہے

غربت بھی ملی ہے سخت مشکل سے مجھے
غربت ہے عزیز، جان اور دل سے مجھے

غربت کو ترے لئے اُٹھا رکھا ہے
تیرے لئے چھپّر الگا رکھا ہے

ہے تجکو اگر پسند۔ لے بسم اللہ
ہے تحفۂ دردمند۔ لے بسم اللہ

کاشانہ میں میرے تو تو سچ مچ آیا
اللہ غنی۔ تو نے کرم فرمایا

کس پیار سے میرے روبرو بیٹھ گیا
اِس خاک نشین کے ساتھ تو بیٹھ گیا

تو اور مرے جھونپڑے میں دم لیتا ہے
اب عرش بھی فرش کے قدم لیتا ہے

رُباعی

پہنچا ہے سرِ عرش مقدر میرا
مرکز پہ ہوا ہے ختم چکر میرا

ہے سارے جہاں کا سر مرے قدموں پر
تیرے قدموں پہ جب سے ہے سر میرا

دل دوں، یا جان یا دعا دوں تجھ کو؟ کونین کے بادشاہ کیا دوں تجھ کو؟

اک ہدیۂ ناچیز مرا، کر لے قبول لے جان کے جنگیر سے ایمان کے پھول

بیکس کی ہیں زندگی کے حاصل یہ پھول شاید ترے ہار کے ہوں قابل یہ پھول

سکتے میں کھڑے ہیں سب مقرب تیرے مبہوت ہیں دیکھ کر مراتب تیرے

کوئی نفرت سے دیکھتا ہے مجھ کو کوئی حیرت سے دیکھتا ہے مجھ کو

ہوں ذرہ و آفتاب اک جا کیا خوب اک قطرہ میں ڈوب جائے دریا کیا خوب

جس دم کرم جلیل ہو جاتا ہے ابن آذر خلیل ہو جاتا ہے

ہر ذرہ پہ فضل کبریا ہوتا ہے اک چشم زدن میں کیا سے کیا ہوتا ہے

اصنام دبی زبان سے یہ کہتے ہیں وہ چاہے تو پتھر بھی خدا ہوتا ہے

پیوند نمبر ۲۸

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ

مخفی ہے جماعت میں کرامت ساری شیر اور شکر سے ہے حلاوت ساری

اک صرف اپنی خوشی نہیں ہو سکتی — اک شخص کی زندگی نہیں ہو سکتی
ہمدردیٔ غیر میں ہے راحت اپنی — ہر شخص کی قسمت میں ہے شرکت اپنی

بھنگی بیمار ہو تو مشکل پڑ جائے — دھوبی نہ اگر آئے تو کپڑا سڑ جائے
خط کون بنائے جب کہ نائی نہ ملے — موچی نہ ملے تو زیر پائی نہ ملے
ہمدردیٔ غیر میں ہے راحت اپنی — ہر شخص کی قسمت میں ہے شرکت اپنی

معمار اگر نہ ہو تو گھر کون بنائے — عشرت منزل کا بام و در کون بنائے
دہقان نہ ہو تو کھیت کیونکر ہو گا — جب کھیت نہ ہو پیٹ پہ پتھر ہو گا
ہمدردیٔ غیر میں ہے راحت اپنی — ہر شخص کی قسمت میں ہے شرکت اپنی

چمکی ہے فقیروں سے امیری ساری — دنیا میں مریدوں سے ہے پیری ساری
خادم ہی سے ہے نام و نمود مخدوم — خادم ہی کے دم سے ہے وجود مخدوم
ہمدردیٔ غیر میں ہے راحت اپنی — ہر شخص کی قسمت میں ہے شرکت اپنی

ہر ذرہ کے ہم ہیں زیر بار احساں — اک اک قطرہ ہے جو بار احساں
حیوان و نبات سب کے ممنون ہیں ہم — ممنون اگر نہیں تو مجنون ہیں ہم

ہمدردیٔ غیر میں ہے راحت اپنی
ہر شخص کی قسمت میں ہے شرکت اپنی
بیماروں ہی سے جان ہے لقمانی میں
پیاسوں ہی کے دم سے آب ہے پانی میں
مےخواروں کے دم سے ہے وجودِ ساقی
تفصیل بہت ہے قِس علیہ الباقی
ہمدردیٔ غیر میں ہے راحت اپنی
ہر شخص کی قسمت میں ہے شرکت اپنی

اپنا ہی وجود ہے یہ عالم سارا
اپنی ہی نمود ہے یہ عالم سارا
آئینۂ دہر میں ہے رویت اپنی
پتھر کی بھی مورت میں ہے صورت اپنی
ہمدردیٔ غیر میں ہے راحت اپنی
ہر شخص کی قسمت میں ہے شرکت اپنی

رباعی

ہمراہِ کرمِ حسنِ عمل تلتا ہے
احسان میں بابِ لطفِ حق کھلتا ہے
ہمدردیٔ غیر میں ہے اپنا بھی بھلا
کپڑا دھونے سے ہاتھ بھی دھلتا ہے

پیوند نمبر ۲۹

یا حسرۃً علی العباد

غم کے ہاتوں ہے روز بربادی
عمر بھر بے شمار موتیں ہیں
موت میں ایک بار مرنا ہے
زندگی میں ہزار موتیں ہیں

پیوند نمبر ۱۳۰

خاتمہ

شرمِ عصیاں سے جھک گئی ہے گردن
اَللّٰھُمَّ ظَلَمْتُ نَفْسِی ظُلْمًا

اب بندہ ترے حضور میں آیا ہے
عاصی دربارِ نور میں آیا ہے

اس مورِ ضعیف کی صدا بھی سن لے
اس بندہ کی آخری دعا بھی سن لے

تو میری دعا کا مدعا ہو جائے
بیمارِ وجود کو شفا ہو جائے

اس طولِ امل کا رشتہ کٹ کر رہ جائے
پھیلی ہوئی زندگی سمٹ کر رہ جائے

پیری سے بدل جائے جوانی میری
وقفِ ہر دم ہو زندگانی میری

یہ خشک نہال، بارور ہو جائے
ہر جزوِ بدن، تارِ نظر ہو جائے

دیکھوں جس سمت ایک جلوہ نظر آئے
یہ آئینہ، بال آ کے دو ہونے نہ پائے

نقشِ کون و فساد، فاسد ہو جائے
محسوس حواسِ خمسہ واحد ہو جائے

ہو جائے ادائے عجز جو ہر میرا
قدموں میں ترے پڑا رہے سر میرا

تلوے ترے ملتی رہیں میری آنکھیں
اِن پھولوں سے پھلتی رہیں میری آنکھیں

سو جاؤں تو تیرا ہاتھ ہو سر کے تلے
جب آنکھ کھلے ترے تبسم میں کھلے

دنیا کے عمل میں دین پیدا کر دے
شکّی دل میں یقین پیدا کر دے

سچّے دل سے کروں عبادت تیری
واپس کر دوں تجھے امانت تیری

یہ کہہ کے بدن سے نکلے جانِ آگاہ
"سَمعِی بَصَرِی دَمِی عِظَامِی لِلّٰہ"

بس ہوں کی صدا ہو منتہیٰ یاھُو پر
ہو خاتمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ پر

لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ

فطرت پابند ننگ و ناموس نہیں
یاں نقش و نگارِ پرِ طاؤس نہیں

ہر اک پیوند دل کا اک ٹکڑا ہے
اس خرقہ میں کوئی تارِ سالوس نہیں

تمّت

٨٩١٤٥١١٦

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

SEP 1993

سال اول ۲۱۶

SEP 1956

5 DEC 1957

16.6.58

NOV 1982

R 1983